الفرد و القطار

مصنف

اوتار کرشن گنجو بھارتی سحر گاندربلی

کتاب کا نام : الفرد و القطار

مصنف : اوتار کرشن گنجو بھارتی سحر گاندربلی

مطبوعہ : جے کے آفسیٹ پرنٹرس، دہلی

سال اشاعت : فروری 2008

صفحات : 150

قیمت : -/250 روپے (۲۵۰)

کتاب ملنے کا پتہ

یہ تصنیف ہفتہ وار انگریزی اخبار کے مدیر (ڈیمو)

نے بازار میں فروخت کرنے کے لیے دہلی کے چھاپ خانے سے

چھاپ لی ہے۔

اِنتساب

زیرِ نظر کتاب اُن شاعروں، ادیبوں، قلمکاروں، سائنسدانوں اور دیگر ہنرمندوں سے منسوب ہے۔
جن کی آج تک کسی بھی حلقے کی طرف سے خواہ وہ سرکاری ہو یا غیر سرکاری۔ کوئی حوصلہ افزائی نہیں ہوئی۔

میری گزارش

میں نے اپنی شاعری کا آغاز 1960ء سے کیا ہے۔ تب سے آج تک میں نے کشمیری زبان میں ایک کتاب منظوم پھولہٕ وِنؠ گلہٕ ٹُورِ (کھلتے ہوئے شگوفے) اور اُردو زبان میں مندرجہ ذیل کتابیں شائع کیں:۔

(۱) عنوانِ تلاش

(۲) ہے عالمی تذکرہ باقی

(۳) کوہِ مخمل

(۴) تختِ جمہور

میں نے ان مندرجہ بالا کتابوں کے آغاز میں جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ صحیح ہیں۔ لیکن ان میں کتنی صداقت ہے۔ اُس کی جانچ قاری حضرات ہی کر سکتے ہیں۔ اسی لیے زیرِ نظر تصنیف میں ان واقعات کو دہرانا غیر ضروری ہے۔

اِس تصنیف کی اشاعت سے پہلے میں نے مشہور

بزرگ کہنہ مشق شاعر و قلمکار پنڈت پتامبر ناتھ درفانی کاشمیری
کا فیض صلاح و مشورہ حاصل کیا۔ اور اسی مشورے کے تحت
زباں اور کتابتس سے متعلق غلطیاں چھاپنے سے پہلے
درست کی گئیں۔ ہوسکتا ہے کہ پھر بھی اس کتاب میں کچھ
خامیاں رہ چکی ہوں اُن کے لیے مجھے قابلِ عفو سمجھا جائے۔

فانؔی صاحب کی تجویز ہی پر کتاب ہذا کا عنوان
"الفرد والقطار" موزوں سمجھا گیا۔

اسی طرح سے میں نے اپنی پہلی کشمیری زبان میں
منظوم پھولہٕ وِنٛی گلِہ ٹُورِ (کھلتے ہوئے شگوفے) کو
چھپوانے سے پہلے جناب پتامبر ناتھ دارفانی کاشمیری کے
مشورے ہی سے پھولہٕ وِنٛی گلِہ ٹُورِ (کھلتے ہوئے
شگوفے) کے عنوان سے مزیّن کیا۔

04/07/2008

(اوتار کرشن گنجو بھارتی سحر گاندربلی)

الفرد و القطار
میری نظر میں

جناب سحرؔ گاندر بلی سے میری جان پہچان ۱۹۷۶ء میں ہوئی۔ جب کہ مجھے ''کشمیر کلچرل لیگ'' کا صدر منتخب کیا گیا۔ آنجہانی مرزا غلام حسن بیگ عارفؔ کشمیر کلچرل لیگ کے بانی صدر اور سرپرست تھے۔ میں تین سال ان کا جانشین بن کر رہا۔ اُس زمانے میں سحرؔ گاندر بلی مذکورہ تنظیم سے ایک رضا کار کارکن کی حیثیت میں وابستہ رہے۔ اور اس کی ادبی سرگرمیوں میں والہانہ تگ و دو کرتے رہے۔ چنانچہ آپ کے ادبی ذوق و شوق وانہماک اور بے لوث و عرق ریز دوڑ دھوپ کو دیکھ کر میں بے حد متاثر ہوا۔

سحرؔ صاحب ایک پُرخلوص اور ہنس مکھ شاعر اور ادیب ہیں اور ہر کام میں ہر کس و ناکس کو اپنا دست تعاون پیش کرنے کو

ایک مسرت افزا فریضہ ہی نہیں، بلکہ ایک عبادت سمجھتے ہیں۔ اپنی گفتار ورفتار سے آپ ایک گرہستھی کے لباس میں ایک جوگی یا خدا مست درویش سے لگتے ہیں۔آپ ''دوردرشن کیندر'' سری نگر و ''جموں و کشمیر کلچرل اکادمی'' اور ریڈیو کشمیر (سری نگر و جموں) کے مشاعروں میں گاہ بہ گاہ شمولیت فرماتے رہے ہیں۔

تصنیفات: سحرؔ گاندربلی کی کشمیری غزلوں اور نظموں کا پہلا مجموعہ ''پھولِہ وِنٛی گلِہ ٹُورِ (کھلتے ہوئے شگوفے) ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا۔ زاں بعد بیسویں صدی عیسوی کی آخری دہائی میں ۱۴۴ صفحات پر مشتمل آپ کی اردو غزلوں کا ایک اور مرقع الموسوم ''عنوانِ تلاش'' اور زاں بعد آپ کی اور چار تصنیفات زیرِ عنوانات مندرجہ ذیل۔ مصنفہ شہود پر آئیں۔

۱۔ عنوانِ تلاش

۲۔ ہے عالمی تذکرہ باقی

۳۔ کوہِ مخمل

۴۔ تختِ جمہور

جہاں تک آپ کی زیر نظر تازہ منشور تصنیف کا تعلق ہے، اس میں مصنف نے کچھ علامات کے ذریعے انسانی معاشرے میں پھیلی ہوئی برائیوں بدنظمیوں، معاشی نابرابریوں، سیاسی شعبدہ بازیوں، مذہب کے نام پر فتنہ پردازیوں، ذاتی منفعت کے لیے حق داروں کی حق تلفیوں وغیرہ کے کریہہُ النظر چہروں کی نقاب کشائی کی ہے۔ اس نقاب کشائی میں آپ نے جن علامات سے کام لیا ہے، اُن میں سے دو خاص علامتیں ''فرد'' اور قطار'' قابلِ ذکر ہیں۔ جو کہ علی التواتر اس کتاب کے رموز و کنایات اور اصل موضوع کی عکّاس ہیں۔ 'فرد' سے مراد سماج کی ''انفرادیت'' ہے اور ''قطار'' اس کی ''اجتماعیت'' کی علامت ہے۔ سماج افراد ہی کا ایک مجمع ہے اور اس کے ہر فرد کی اپنی ایک الگ حیثیت اور شخصیت ہے، لیکن چونکہ افراد کے اجتماع ہی کا نام ''سماج'' ہے، اس لیے یہی اجتماع سماج کی ایک جداگانہ شکل وصورت کی پہچان ہے۔ سماج بجائے خود ایک غیر مرئی شے یا محض ایک

تصور ہے، لیکن افراد کے اجتماع ہی سے سماج ایک مرئی وجود کا حاصل ہے۔ پس مُصنّف جہاں سماج کی انفرادیت کے تقدس کے مبلغ ہیں۔ وہاں آپ اس کی اجتماعیت کے دامن کو داغدار دیکھنا نہیں چاہتے۔ آپ سماج کی انفرادیت اور اجتماعیت کے ہوتے ہوئے بھی حتی الامکان ایک توازن اور ہم آہنگی دیکھنے کے متمنی ہیں۔ تاکہ سماج کا شیرازہ بکھرنے نہ پائے۔

مُصنّف کی زیرِ بحث تصنیف ایک طویل، لیکن دلچسپ انشائیہ کے مترادف ہے۔ مصنف کا اشہب قلم جہاں اپنی پوری جولانیوں کے ساتھ رواں دواں ہے، وہاں صحیح اور مربوط اظہار خیال وطرز بیاں کے چابک سے اس گھوڑے کی بے ہنگم چال اور رفتار کو کاوے پر کاوا لگانے کی اشد ضرورہے۔

3-2-2008

پیتامر ناتھ درفانیؔ کاشمیری

حال مقیم گوڑگاؤں (ہریانہ)

آغازِ داستان

جب بھی کسی چیز کی قلت کسی ملک میں یا کسی ریاست میں یا کسی ضلع میں محسوس ہوتی ہے تو سرکاری اہل کار اس قلت کو دور کرنے کے لیے مناسب قدم اٹھاتی ہے۔

پہلے پہل اس قلت کو دُور کرنے کے لیے پیداوار کا جائزہ لیتے ہیں تا کہ اس کی تقسیم کاری کا قائدہ ہر ایک چاہنے والے کو فراہم ہو جائے۔ لیکن اگر پیداوار کے طور طریقے سے بھی کسی چیز کی قلت پوری نہیں ہوتی ہے تو سرکار کے ذریعے حکم نامہ لوگوں تک پہنچایا جاتا ہے۔ اور ان سے گزارش کی جاتی ہے کہ اس چیز کا کم استعمال کیا جائے۔ اس کی تقسیم کاری کے لیے مختلف سرکاری طور طریقے اپنائے جاتے ہیں تا کہ ہر ایک شہری کو ہر چیز مساوی طور پر فراہم ہو جائے۔

کسی چیز کی قلّت پر تقسیم کاری کے وقت لوگوں کو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اِس قِلّت کو دُور کرنے کے لیے کسی وقت صارفین کسی عام دُکان یا کسی سرکاری دُکان کے سامنے قطار میں رہ کر اور حاضری دے کر اس چیز کو فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مطلب یہ کہ قلّت والی چیز کو پانے کے لیے لوگ قطار میں کھڑے ہو کر اپنی مشکلات کا حل ڈھونڈتے ہیں۔ اور قطار میں لوگوں کو محسوس نہیں ہوتا کہ وہ کسی چیز کو پانے کے لیے بے چین اور بے بس ہیں۔ اُس کی وجہ یہ ہے کہ وہ قطار میں اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر گپ شپ میں مصروف ہو جاتے ہیں اور کسی چیز کی قلت محسوس نہیں کرتے۔

لیکن جب قطار میں آہستہ آہستہ ان کی باری آتی ہے تو قلت والی چیز کو فراہم کر کے یہ محسوس کرتے ہیں کہ انہوں نے قطار میں رہ کر ہی اس قلّت والی چیز کو حاصل کیا۔

اس قلّت والی چیز کو گھر والوں کے حوالے کر کے سوچنے لگتے ہیں کہ وہ دوبارہ قطار میں رہ کر دوستوں کی گپ شپ سے مطلوبہ چیز کی قلت محسوس نہیں کریں گے۔

اس کا مطلب یہ رہا کہ قطار میں صارفین کو ایک یک جہتی اور ہم آہنگی محسوس ہوتی ہے اور کسی چیز کی قلت کے خلاف احتجاج کرنا پڑتا ہے اور اس قلت کو دور کرنے میں حتی الامکان کامیابی سے ہمکنار ہونے کا موقع ملتا ہے۔ قطار کی الگ الگ شکلیں ہیں جیسے (سیاسی قطار) جمہوری قطار، اقتصادی قطار، سماجی قطار وغیرہ وغیرہ دنیا میں ان قطاروں کی وضاحت یوں ہے۔

اقتصادی قطار

دنیا میں ابھی تک ۹۵ فی صدی لوگ غربت کی زندگی گزارتے ہیں اور غربت کا مقابلہ بھی ہشاش بشاش طریقے سے کرتے ہیں۔

غرض کہ غریب لوگ ہی قطار میں رہ کر کسی چیز کو حاصل کر کے پھر سے دوسری نایاب چیزوں کو پانے کے لیے قطار میں حاضری دیتے ہیں۔ خاص کر کھانے پینے کی چیزوں کی ناکامی پر غریبوں کو ایسی چیز حاصل کرنے کے لیے قطار میں رہنا پڑتا ہے۔

گویا دنیا میں اقتصادی حالات سے ہی ہر قطار کی تصویر نمودار ہوتی ہے۔ اگر معاشی اور پیداواری بدحالی نہ ہو تو قطار کی تصویر کبھی بھی نمودار نہیں ہوگی۔

ایک دن ایک بڑے بھاری کارخانہ دار نے یہ سُنا کہ

ملک میں ایسی چیز کی کمی محسوس ہوتی جارہی ہے جس سے ملک میں اقتصادی بحران آنے والا ہے۔ تو اُس کارخانے والے نے حُبّ الوطنی کے جذبے کے تحت کاروبار کو تبدیل کر کے اُس نایاب چیز کی پیدوار بڑھانے اور اس کی کمی کو دور کرنے کے لیے اپنی جدو جہد سے پیداوری صلاحیت کو بڑھاوادیا۔

غرض کہ جب اس ملک میں اس چیز کی نایابی ہی نہیں رہی تو قدرتی طور پر قطار میں بیٹھنے کی نوبت ہی نہیں آئی۔

یہ بھی پایا گیا ہے کہ کئی ممالک کسی کی اقتصادی حالات کو درہم برہم کرنے کے لیے بدیشی چیزوں کی اس ملک میں نایابی کا ماحول پیدا کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ وہ ممالک اس ملک کی ترقی پر خوش نہیں ہوتے اور لوگوں کو مشکلات میں ڈال کر کامیاب یا مہنگی چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے قطاروں میں کھڑے ہونے پر مجبور کرتے ہیں۔ لیکن ملک میں خودمختار پیداواری صلاحیت پیدا ہونے کی وجہ سے قطار کی صورت میں باقی نہیں رہے گی۔

اور ملک کی اقتصادی حالت اچھی ہونے سے قطار کی
دیوار آپ سے آپ مسمار ہو کر رہے گی۔

ایک دن ملک میں کئی چیزوں کی نایابی پیدا ہونے لگی تو
لوگ ان چیزوں کو حاصل کرنے کے لیے پہلے سے ہی
بیوپاریوں کے پاس قطار میں رہ کر اُس چیز کو پانے کے لیے
واویلا کرنے لگے۔ لیکن بیوپاریوں نے اپنی تنظیم بنا کر مصمم
ارادہ کیا کہ ہم لوگوں کو نایاب چیزوں کے لیے ذخیرہ اندوزی
نہیں کرنے دیں گے۔

اگر کسی آدمی کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو ہم اس کو کم تعداد
یا مقدار میں دے کر دوسرے کو بھی اس چیز کی قلت محسوس نہیں
کرنے دیں گے۔

غرض کہ ملک کی عزت واحترام کے لیے ہمیں اُن قطاروں
کی صورت نیست و نابود کرنی چاہیے جن سے ملک کی اقتصادی
بحران یا پیداری بحران کی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اگر چہ ملک میں سبھی لوگوں کے حقوق برابر ہیں تو کیوں

ہم قطار میں رہ کر بھیک منگوں کی صورت اختیار کریں گے۔ مانا
لوگوں کو مزدوری کے ذریعے یا کسی اور طریقے سے کمائی کر کے
ایسی بھیڑ میں حاضر نہیں ہونا چاہیے۔

غرض کہ ہمیں پیداوار کے طور طریقے کی کمی پیدا ہونے
سے بھیڑ میں رہنا چند دنوں کے لیے ناگزیر ہے۔ پھر ایسی چیزوں
کی پیداوار زیادہ کر کے ایسی قطار سے نجات پانی چاہیے۔

مان لیا کہ کسی وقت کوئی ناگہانی آفت آنے پر ہمیں
خوارک کو پانے کے لیے قطار میں حاضری دینی پڑتی ہے۔
لیکن ایسی حاضری چند یوم اور چند دنوں کے لیے خدا نے
ہماری آزمائش کے لیے مُہیّا کی ہے۔

خیر ______ کسی بھی صورت میں ہمیں ایسی قطاروں
سے نجات ملنی چاہیے جن سے جمہوری طرزِ نظام میں تقسیم
کاری پر آنچ آتی ہو۔ جمہوری نظام میں قطار برابر برابر کے
حقوق پر منحصر ہوتی ہے۔ ''قطار'' نایاب چیز کے لیے ہی اپنی
صورت دکھاتی ہے۔

قطارِ دِل

اگر ہم قطار کے مضمون پر بحث کرنا چاہتے ہیں تو اس میں ہزاروں کی تعداد میں واقعے نمودار ہو سکتے ہیں۔ لیکن ہمیں یہ بھی واقفیت ہونی چاہیے کہ کس قطار میں کس قسم کا وزن پایا جاتا ہے۔ اقتصادی بحران پر ہی قطار کو بحثِ موضوع نہیں سمجھنا چاہیے جیسے کہ:۔

کہتے ہیں کہ ایک ملک مین عورتوں کا شمار مَردوں کے شمار سے زیادہ پایا گیا۔ اسی لیے مردوں کی کم آبادی ہونے کی وجہ سے کئی ممالک کے مرد شادی کرنے کے لیے اس ملک میں آتے جاتے رہے۔ لیکن یہاں لاتعداد عورتیں دیکھ کر وہ یہ قیاس نہیں کر سکے کہ ہم کسی خاص عورت کے ساتھ ناطہ جوڑ سکیں۔ ان کی آنکھوں کے سامنے عورتوں کی قطار آ ہی جاتی۔ لیکن رشتہ جوڑنے کے وقت یہ خیال نہیں کر سکے کہ ہمیں کس خاص عورت کے ساتھ ناطہ جوڑنا ہے۔

غرض کہ بدیشی ملکوں سے لاتعداد مرد آتے رہے اور قطار کی صورت پیدا ہونے لگی۔ لیکن عورتوں کی اکثریت نے ایسی قطار کو نیست و نابود کیا۔ ان ممالک کے مردوں کو ان عورتوں نے پسند نہیں کیا اور کہنے لگیں کہ ہم اپنے ملک میں تین تین مردوں کی مدد کریں گے۔ لیکن بدیشی ممالک کے ساتھ ناطہ نہیں جوڑیں گے۔

اگر ہم غور سے اندازہ لگائیں گے تو ہم اس بات کا صحیح طور پر ذکر کریں گے کہ ان عورتوں نے اپنے ملک کی حب الوطنی کے لیے غیر ملک کے ساتھ اپنے رشتے ناطے توڑے۔

ایک ملک میں مردوں اور عورتوں کی آبادی برابر برابر ہونے کی وجہ سے ایسی قطار نمودار ہونے لگی کہ وہاں پر عورتیں یہ دعویٰ کرنے لگیں کہ ہم اُس مرد کے ساتھ ناطہ جوڑیں گے جو کسی ملک کی وفاداری کے لیے اپنی جان نچھاور کرنے پر آمادہ رہے گا۔

جب مردوں نے یہ سنا تو انہوں نے اس بات پر اقرار کیا کہ ہمیں ملک کی وفاداری کے لیے کون سی بات یا کس اصول پر اپنے آپ کو نچھاور کرنا ہے۔

اس بات کی وضاحت یوں ہے

دراصل اس ملک میں چاروں طرف سرحد کے پار دشمنوں کا ٹولہ بنا تھا۔ چاروں طرف سے کئی ممالک اس ملک کو اپنے ملک کے ساتھ جوڑنا چاہتے تھے۔ اس لیے اس ملک کے چاروں طرف سرحدوں پر دشمن کے ذریعے کسی بھی حملے کا مقابلہ کرتے رہے۔ لیکن ان عورتوں نے جب سمجھا کہ کئی مرد ڈرپوک اور بُزدل ہونے کے ناطے سرحد سے واپس آتے ہیں اور دشمن کا مقابلہ کرنے سے ڈرتے ہیں تو عورتوں نے رشتہ جوڑنے کے لیے اپنے اصول کو اپنایا۔

مطلب یہ کہ جب مرد اپنی سرحدوں پر دشمن کا مقابلہ کرکے گھر واپس آتے تب ہر عورت رشتہ جوڑنے کے لیے آمادہ ہوجاتی۔ مطلب یہ کہ حب الوطنی کے لیے عورتوں نے قطارِ دل کی قسم کا اصول اپنایا۔

اگر ہم اس ''قطارِ دل'' کو دوسرے انداز
سے بیان کریں گے تو ہم کہیں گے کہ:۔

ایک لڑکی ایک دن اپنے گھر سے نکلی اور گھر والوں نے اُس لڑکی کو نایاب چیز لانے کے لیے کہا اور یہ لڑکی گھر سے نکلی اور اُس نے دُکان کے سامنے قطار میں رہ کر اس چیز کو حاصل کیا۔ اور اُسی قطار میں اس لڑکی کی کسی غیر مرد کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھنے لگیں۔

مطلب یہ کہ ان کا پیار کافی پروان چڑھنے لگا۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے کو دل و جان سے چاہنے لگے۔ لیکن گھریلو حالات کی وجہ سے انہیں رشتہ جوڑنے میں دشواری پیش آئی۔ لیکن ایک دوسرے کے ساتھ مرتے دم تک محبت کے آثار قائم و دوائم ہے۔

دوستو! کیا ہم ایسے واقعے کو ''قطارِ دل'' کا عنوان نہیں کہہ سکتے۔ اگر چہ ہم محبت کی داستان ترک کریں گے اور دوسرے حادثات کا واقعہ بیان کریں گے تو بیان کرتے کرتے

''قطارِ دل'' کا لفظ پھر سے اُبھرنے لگے گا۔

کسی باغ میں کوئی سیلانی سیر کرنے کے لیے جاتا ہے اس باغ کی سیر کرنے سے پہلے اس نے ہزاروں باغوں کی سیر کی ہوتی ہے لیکن کسی بھی باغ کی سیر کرنے پر اس کا دل دھڑکتا ہے۔ کسی باغ کی خوبی مرتے دم تک اپنی آنکھوں کے کیمرے (Camera) میں منعکس دیکھتا ہے۔

دوستو! کیا ہم ایسی یادداشت کو ''قطارِ دل'' نہیں کہہ سکتے؟

جب کسی اولاد کو اپنے والد اور والدہ سے بہت ہی محبت ہو جاتی ہے۔ والد اور والدہ کے انتقال کرنے پر کیا اس اولاد کو اُن دونوں کی نصیحتیں، عادتیں وغیرہ وغیرہ بھول جاتی ہیں؟

دوستو! کیا ہم اس واقعے کو ''قطارِ دل'' کے ساتھ وابستہ نہیں کر سکتے......؟

غرض کہ اگر ہم ''قطارِ دل'' کی وضاحت کرنے بیٹھیں گے۔ تو ہزاروں دلائل کے ساتھ اس کی وابستگی ضرور نظر آئے گی۔ اسی لیے ہر ایک آدمی کا اچھی عادتوں، اچھے اصولوں، اچھی تہذیب اور اچھے سماج کا ''قطارِ دل'' ہمیشہ کے لیے اس کی زندگی کے ساتھ جُڑ جاتا ہے۔

کئی قطاروں کی وابستگی انسانیت کے اصولوں کے ساتھ ملتی جلتی ہے

جمہوری قطار

''قطارِ جمہوریت'' تب دنیا میں رونما ہوئی جب دنیا کے کئی ممالک میں شخصی راج کا ازالہ ہوا اور لوگوں نے اپنی رائے سے حکومتیں تشکیل دیں۔ مطلب یہ کہ عوامی راج کا ماحول پیدا ہونے لگا۔ جس جس ملک میں طرزِ جمہور کا دور چل رہا ہے۔ اُس ملک میں وقتاً فوقتاً قطارِ جمہور'' دیکھنے میں آتی ہے۔

غرض کہ لوگ اپنی طرزِ حکومت کو تشکیل دینے کے دوران اپنی رائے کا حق استعمال کرتے ہیں۔ حق کا استعمال کرتے کرتے یہ لوگ اپنی رائے کے دوران قطاروں میں کھڑے ہو کر باری باری اپنی رائے کا استعمال کرتے ہیں۔ اسی لیے دورِ جمہور میں ''قطارِ جمہور'' کو کافی اہمیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

خیر ـــــــــ یہ عام فہم باتیں دُہرانا اچھا نہیں لگتا۔
لیکن ''قطارِ جمہور'' کا تذکرہ ضروری کرنا پڑا۔

○

اب ہم اس بات سے مطمئن ہو جائیں گے کہ قطار کو ایک ایسا اہم کردارِ زندگی تصور کیا جائے گا جو کہ ہمارے ساتھ چوبیں گھنٹے وابستگی رکھتا ہے۔ آپ سوچیے جب ہم شام کو آرام کرنے بیٹھتے ہیں۔ تو ہم صبح کی مصروفیات کا جائزہ لیتے وقت یہ طے کرتے ہیں کہ ہمیں صبح کے وقت کون کون سے کام انجام دینے ہیں۔

اس کی تشکیل کے وقت ہم مصروفیات کے نکتوں کو قطار میں لا کر تشکیل دیتے ہیں اور مصمم ارادہ کرتے ہیں کہ ہمیں ہر ایک کام کو نبھانا ہے۔

خدا کے فضل و کرم سے جب ہم صبح کو بیدار ہوتے ہیں تو ہم تشکیل کا جائزہ لیتے ہیں۔ اور جائزہ لیتے وقت ایسے نکتوں کو قطار میں لکھ کر کسی وجہ سے کوئی مد قطار سے باہر کرتے ہیں۔ اور اس مد کو قطار سے باہر رکھ کر یہ کہتے ہیں کہ کچھ اہم

مصروفیات کی وجہ سے ہم اس قطار میں اس مد کا کام نہیں نبھا سکیں گے۔

اب ہم اُس بات کا ذکر کریں گے جو سرکاری کام کاج کے لیے بہت ہی اہم اور مفید مانی جاتی ہے۔ دنیا کے ہر ملک میں سرکاری محکموں میں قطار کے بغیر کوئی کام کاج نہیں چل سکتا۔

مطلب یہ کہ منصوبہ بندی کے لیے "تشکیل قطار" بہت اہم مانی جاتی ہے اور مطلوبہ منصوبوں کو یکے بعد دیگرے اہمیت کے اختیار سے قطار بند کر کے پائے تکمیل کو پہنچاتے ہیں۔

اسی طرح سے ہر ایک سرکاری محکمے میں قطار کی صورت میں بہت سے منصوبوں کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

خیر ــــــ کس حد تک ان قطاروں کو سرکار تشکیل دیتی ہے اور ان کی پابندی کرتی ہے۔ ویسے تو جمہوری طرزِ حکومت میں چناؤ تک کے آغاز کی متعلقہ حکومتیں قطار کی صورت میں لوگوں کی بہبودی کے لیے کوئی نہ کوئی کام انجام دیتی ہیں۔ لیکن کسی وقت کوئی مَد قطار کی تشکیل میں بھول جاتی

ہیں لیکن جب دوسری بار نئی وزارت طرزِ جمہور کے تحت تشکیل پاتی ہے تو وہ ان قطاروں کو پھر سے تشکیلِ نو کا عملی جامہ پہنا کر لوگوں کی خوشنودی کے لیے حاضر کرتے ہیں۔

رہا سوال کئی کارخانوں اور کئی سرکاری اداروں میں کیوں مُلازموں کے لیے قطار کے تحت نام لکھا جاتا ہے؟

مطلب یہ کہ جو ملازم پہلے پہل آجاتا ہے اور کام نبھاتا ہے۔اس کا نام قطار میں درجہ اوّل میں لکھا جاتا ہے۔

جب ان ملازموں کی ترقی مُرتّب کی جاتی ہے تو ان کو اسی قطار کے تحت ترقی دستیاب ہوتی ہے۔لیکن ایک فرد کو جمہوری طرزِ حکومت میں ''قطار'' کی صورت میں ناانصافی کا منہ بھی دیکھنا پڑتا ہے۔جب کوئی ملازم قطار میں اوّل رہنے کی صورت میں ترقی کا حق رکھتا ہے تو اس کو کسی نہ کسی وجہ سے بھول کر ترقی سے محروم کیا جاتا ہے اس پر اُس کو عدالت کے دروازے پر دادرسی کے لیے جانا پڑتا ہے۔گویا جمہوری دَور میں قطار میں رہ کر بھی ایک فرقہ کی حق تلفی ہوجاتی ہے۔

دُنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں چند ایّام کے لیے بھیجا

ہے۔لیکن جب وہ ہمیں اس دُنیا سے رحلت دلانا چاہتا ہے۔تو وہ راہی عدم ہونے والوں کی قطار کا جائزہ لے کر یہ سوچتا ہے کہ آیا فلاں کس قطار کے لحاظ سے انتقال کے لائق ہے یا نہیں؟ مطلب یہ کہ قطار ہمیشہ ہماری حیات، رحلت اور قسمت کا تعین کرتی ہے۔

ایک دن ایک بڑے عالم نے یہ سوچا کہ میں قطار کے مشورے کے تحت دن کا کام نبھاؤں گا لیکن جب اُس سے پوچھا گیا کہ کیا آپ قطار کے مطابق کام نبھا سکے تو اُس نے جواب میں کہا...... کہ میں چاہتا تھا کہ میں قطار کی تشکیل کے تحت دن کا کام نبھاؤں لیکن خدا کے فضل سے ادھورا کام ہی نبھا سکا۔کیوں کہ مجھ سے سبقت لینے کے لیے کچھ خودغرض لوگ مجھے قطار میں پیچھے ہی پیچھے دھکیلتے رہے۔

خیر ــــــــ ہم نے یہ جائزہ لیا کہ زندگی اگر چہ قطار کے دائرۂ عمل میں آتی ہے پھر بھی ہم بہت ہی مایوس رہتے ہیں۔کیونکہ ہم قطار کے آئین کی پابندی نہیں کر پاتے۔

ایک دن کسی ملک میں شخصی راج کا دَور چل رہا تھا اور

وہاں بادشاہ نے وزیروں کو یہ ہدایت دی کہ جو بھی کام وہ انجام دیں گے وہ قطار کے دائرے کے تحت ہی انجام دیں گے۔

وزیروں نے بادشاہ کے حکم نامے کو عملی جامہ پہنایا لیکن ایک وزیر نے بادشاہ کو کچھ نکتے اُبھار کر خاموشی کے عالم میں جگایا۔ اور عرض کی کہ...... جہاں پناہ آپ نے ہمیں آپ کے حکم نامہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی ہدایت کی اور ساتھ ہی اس بات کی تاکید کی کہ قطار کے تحت سرکاری کام کاج نبھانا چاہیے۔ لیکن بادشاہ سلامت! ہم یہ کام کیسے نبھا سکتے ہیں جب کہ غیر متوقع طور پر موسم قطار کے لوازمات میں رخنہ ڈالے اور ہمارا ساتھ نہ دے سکے۔

یعنی جب بارش پڑتی ہے تو اس وقت لوگ دھوپ کی چاہت تو کرتے ہیں لیکن خدا کی مرضی سے وہ چاہت پوری ہی نہیں ہوتی۔

اس طرح سے ناگہانی آفت کی وجہ سے ''منصوبۂ قطار'' دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے۔ یہ سُن کر بادشاہ نے وزیر کی عقلمندی کی بہت تعریف کی۔

بادشاہ نے بھی یہ بات مان لی کہ آئین کی پابندی کُلی طور پر ممکن نہیں۔ لیکن پھر بھی وزیروں نے بادشاہ کی خوشنودی کے لیے کہا کہ وہ کسی نہ کسی قطار کے قانون کی پابندی کرتے ہوئے اپنا مفوضہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے۔ چہ جائیکہ قطار کے اصول کی پابندی ایک بہت ہی مشکل کام ہے۔

☆

مدرسے کے دن یاد آتے ہیں جب بچپن میں مدرسے جاتے تھے تو وہاں پر ایک خاص قسم کی وردی پہن کر اسکول کا داخلہ پاتے رہے۔ چنانچہ یہ رواج اور دستور برقرار ہے۔ وردی کو کسی بھی مدرسے نے منسوخ کرنے کی کوشش نہیں کی اور نہ یہ رواج منسوخ ہونا چاہیے۔ اس سے ہمیں یہ فائدہ ملتا ہے کہ اُستاد جب جماعت میں طالب علموں کو پڑھاتا ہے تو اُس وردی پوش قطار کو دیکھ کر اُستاد کا دل اور دماغ دونوں اپنی جگہ پُرسکون اور پُرمسرت رہتے ہیں۔

اگر ہم سو طالب علموں میں وردی کے بغیر کسی ایک کی شناخت پائیں گے اس سے قطار کے آئینے میں کوئی فرق نہیں

آتا۔ ہاں البتہ غیر وردی پوش طالب علم کی پہچان سے اُستاد یہ
محسوس کرتا ہے کہ طالب علم وردی کے بغیر ہم جماعت طالب
علموں کے ساتھ نہیں بیٹھتا ہے۔ لیکن یہی اُستاد اُس سے پیار و
ہمدردی اور اچھے سلوک سے پیش آتا ہے۔ اور جب یہی
طالب علم دوسرے دن وردی پہن کر ہم جماعت طالب علموں
کے ساتھ بیٹھتا ہے۔ تو محسوس کرتا ہے کہ وہ بھی ایک خاص
قطار میں اپنے ہم جماعت طلبہ کے ساتھ رونق عطار کرتا ہے۔
خیر ____ ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جب ہم وردی
پوش طالب علموں کو دیکھتے ہیں تو یہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ غریب یا
امیر طالب علم کون سا ہے؟ وردی پہن کر یکسانیت کا ماحول پیدا
ہوتا ہے اور ہم وردی اور ہم جماعت طلبہ کی قطار میں کوئی
اجنبیت یا ناہمواری نہیں دیکھنے میں آتی۔ غرضیکہ مدرسے سے
لے کر یونیورسٹی تک طالب علم کو قطار اور وردی کی صورت میں
اپنے اُستاد اور ہم جماعت طلبہ کے ساتھ محبت کا رشتہ متواتر
رکھنا چاہیے لیکن جب یہ طالب علم کوئی اعلےٰ تعلیم پانے کے
لیے کسی بڑے تعلیمی ادارے میں داخل پاتا ہے۔ تو وہاں

یکسانیت کا ماحول درہم برہم پا کر مایوس ہوتا ہے۔ کیوں کہ وہاں وردی کا فقدان ہے اور نہ اس کا کوئی آئین ہے۔ اعلیٰ تعلیمی ادارے میں کئی طالب علم اچھی سے اچھی پوشاکیں پہن کر آتے ہیں۔ اور ایک غریب اور معمولی پوشاک پہنے ہوئے طالب علم کو ایک امیر طلبہ سے ایک دوری سی محسوس ہوتی ہے۔ کیونکہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ اچھی پوشاک پہننے والے کو ہی عزت واحترام کا تحفہ ملتا ہے۔

ایک غریب طالب علم اور قیمتی پوشاکوں میں ملبوس طلبہ کی قطار میں ایک وارڈسی پائی جاتی ہے۔

''قطار وردی پوش'' سے ہی انسانیت و یکسانیت کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔ پس ہمیں فرد اور قطار کو لازم وملزوم سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ افراد ہی سے قطار بنتی ہے اور قطار افراد کی اجتماعی پہچان ہے۔

مدرسے کے طلبہ کی قطار بندی سے متعلق ایک اور مثال پیش کی جاسکتی ہے۔ جب کسی جماعت کے طلبہ سالانہ امتحان میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو وہ اگلی جماعت میں شادمانی اور

احساس برتری کے ساتھ ایک ہی قطار میں رہنا پسند کرتے ہیں، جب کہ اس اگلی جماعت کے ناکام طلبہ شکست خوردگی اور احساسِ کمتری وشرمندگی سے کامیاب نو واردوں سے الگ تھلگ رہنے میں ہی اپنی عصمت و عافیت سمجھتے ہیں اور اپنی ایک علیحدہ قطار بناتے ہیں۔ گویا

کُند ہم جنس باہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

لیکن ایسے ناکام ونامراد طلبہ کو خاص ہمت وحوصلہ تھام کر اپنی ناکامی کی حُدود کو پھلانگنے اور کامیاب طلبہ کی قطار میں شریک شمولیت حاصل کرنے کی عرق ریز کوشش کرنی چاہیئے اور اس طرح سے اپنے کھوئے ہوئے مقام کو پانا چاہیے۔

فرد اور قطار

ہر ایک ماحول میں فرد اور قطار کی وابستگی رہتی ہے۔ دُنیا
کے تمام کے تمام تحقیق کاروں سے جب ہم دریافت کریں
گے اور یہ بھی درخواست کریں گے کہ قطار اور فرد میں قریبی
وابستگی بھی پائی جاتی ہے تو ہم دعویٰ کے ساتھ یہ کہہ سکتے ہیں کہ
وہ سب کے سب ہاں میں ہاں ملا کر یہ کہیں گے کہ قطار اور فرد
کی وابستگی قریبی ہے۔

اگر جمہوری طرزِ نظام کا ہم لوگ جائزہ لیں گے تو ہم
دعویٰ سے کہیں گے کہ جمہوری طرزِ عمل میں قطار اور فرد کی قریبی
وابستگی ہے۔ وہ یوں:

جب ہم ایوان کے لیے کئی اراکین کا انتخاب کرتے
ہیں، تو وہ افراد کی حیثیت ہی میں ایوان میں قدم رکھتے ہیں
جمہوری طرز نظام میں فرد کے کردار اور قول و فعل کو دیکھ کر ہی

لوگ فرد کا انتخاب کرتے ہیں۔ اور ایوان میں منتخب شدہ افراد انفرادی اور جماعتی طور پر ایوان کی کرسیوں پر تشریف فرما ہوتے ہیں۔

مطلب یہ کہ کرسیوں پر بیٹھ کر وہ الگ الگ قطاروں میں تو بیٹھتے ہیں لیکن ایوان میں رہنما افراد کا بھی انتخاب کرتے ہیں۔

لیکن جس فرد کے حامی اراکین کی ایک بڑی اور لمبی قطار پائی جاتی ہے۔ تو وہی ایوان کا سرکاری نمائندہ بن جاتا ہے اور سرکار کی تشکیل کرتا ہے۔ کیوں کہ طرز جمہور میں اکثریت والی قطار کو ہی سرکار بنانے کا حق حاصل ہے۔ باقی قطاروں کے اراکین حزب مخالف مانے جاتے ہیں۔ اور وہ اکثریت کی قطار کے کام کاج پر نکتہ چینی کرتے ہیں جس سے سرکار کی وقتاً فوقتاً ہونے والی غلطیاں دور ہوتی ہیں۔ اس لیے طرزِ جمہور میں قطار کا ہونا لازمی ہے۔

اسی طرح سے فرد اور قطار کی وابستگی ہزاروں سالوں

سے رہی ہے۔ شخصی حکومتوں میں بھی بادشاہوں نے جو بھی نظام مرتب کیا۔ وہ انہوں نے کسی قطار کے چُنے ہوئے افراد کے مطابق کیا ہوگا۔

صرف انسانی طرزِ عمل میں ہی فرد کی وابستگی نہیں پائی جاتی ہے بلکہ یہ وابستگی پرندوں اور جنگلی جانوروں میں بھی پائی جاتی ہے جیسے کہ:

ہزاروں کُتے رات کو بھونکتے بھونکتے شہر کے عوام کو دہلاتے رہے۔ جب عوام کے آرام میں خلل پیدا ہونے لگا۔ تو انہوں نے کتوں کو خاموش کرانے کے لیے بھرپور کھانا کھلایا۔ پھر بھی یہ کُتے بھونکنے سے باز نہیں آئے۔

آخرکار عوام نے تنگ آکر اُن کتوں کی قطاروں میں سے الگ الگ ہم رنگ کتے چنے۔ اور اُنہیں اپنے ہم شکل کتوں کے سرغنوں کا اعزاز بخشا تا کہ وہ بھونکنے والے کتوں کا بھونکنا صرف اپنے ذمّے لے لیں۔

اس طرح سے الگ الگ رنگوں کے کُتّوں کی الگ

الگ قطاریں بنا کر بھونکنے والے کتوں کا مواخذہ کیا گیا اور اس طرح سے بھونکنے والے کتوں کی تعداد گھٹ گئی اور عوام نے آرام کا سانس لیا۔

اب ہم یہ متفقہ رائے سے تسلیم کریں گے کہ قطار افراد کے بغیر نہیں سج سکتی۔ اور نا ہی قطار بند ہونے کے بغیر افراد کی پہچان ہوسکتی ہے۔

قطار میں کسی چنے ہوئے فرد کا ہونا لازمی ہے۔ اسی لیے ہر ایک نظام میں اگرچہ ہم مختلف قطاروں کو پاتے ہیں لیکن اُن قطاروں کا تعارف کرنے کے لیے کسی فرد کے ساتھ وابستگی لازمی ہونی چاہیے۔

اب ہم یہ کہیں گے کہ فرد کو ہم کیوں اتنی اہمیت دیں گے اور اپنی اجتماعی شناخت قائم نہ کریں؟

اس سوال کا جواب یوں ہے:۔

ایک دن کسی جمہوری ملک میں فرد کا رہنا تسلیم نہیں کیا گیا۔ مطلب یہ کہ وہاں کے لوگوں نے یہ بتایا کہ اگر قطار میں

بیٹھ کر ہم کسی کو اپنے قطار کا فرد چنتے ہیں تو وہ ہمیں کئی حقوق سے محروم رکھتا ہے اور طرزِ جمہور کے نظام کا فائدہ خود فرد حاصل کرتا ہے۔

جب لوگوں نے اتفاقِ رائے سے فرد کو تسلیم نہیں کیا تو قطار میں سب کے سب ایک ہی آواز میں ہاں میں ہاں کرنے لگے۔ لیکن ایک ہی آواز میں ہاں میں ہاں کا ملانا مناسب نہیں ثابت ہوا۔

چنانچہ ایک دن پانی کی قلّت محسوس ہونے لگی۔ مختلف قطاروں میں احتجاج کا منظر دیکھنے میں آیا جس سے کئی بدامنی کے مناظر دیکھنے میں آئے۔ سرکاری اہل کاروں نے کہا کہ ہم امن کا ماحول برقرار نہیں رکھ سکتے۔ کیوں کہ قطاروں میں کوئی فرد بات چیت کرنے کے لیے سرکار کے سامنے پیش نہیں ہوتا ہے۔

اب سرکار نے بھی لوگوں سے درخواست کی کہ وہ اپنے اپنے فرد کو اپنی اپنی قطار میں چن کر سامنے لائیں تا کہ اُس فرد

کے ذریعے عوامی مشکلات کا ازالہ کیا جائے۔

آخر کار بہت سے فرد چنے گئے۔ وہی فرد پانی کی قلت دور کرا کے مطمئن ہو گئے اور سرکار بھی مطمئن ہوئی۔ اور ان کی بات چیت سے مختلف قطاریں امن سے بیٹھنے کے لیے تیار ہو گئیں۔

مطلب یہ کہ فرد کے ساتھ بات چیت کر کے ہی امن کی مشعل روشن رہ سکتی ہے۔ اور لوگوں پر ہونے والا ظلم وتشدد ختم ہوتا ہے پس ہمارے لیے قطار میں رہ کر افراد کی شناخت کرنا ضروری ہے۔

ایک ماہر تعلیم سے پوچھا گیا کہ قطار میں زندگی بسر کرنے کے لیے اسکے فرد کو ضروری کیوں سمجھا گیا؟ تو سوال کے جواب میں ماہر تعلیم نے کہا کہ...... قطار ایک اہم چیز ہے۔ اور فرد بھی ایک اہم چیز ہے۔ جس طرح ایک عورت اپنی زندگی مرد کے بغیر بسر نہیں کر سکتی اسی طرح سے فرد سے قطار اور قطار سے فرد الگ نہیں ہو سکتا۔

گویا قطار فرد کی اجتماعی پہچان ہے۔ اور فرد قطار کا جزوِلا ینفک ہے۔

ایک جنگل میں لاتعداد شیز اپنی زندگی بسر کرتے رہے اوران کی آبادی روز بروز بڑھتی گئی ہراساں و پریشان لوگوں نے حکومت سے تلقین کی کہ وہ ان جنگلی جانوروں کو موت کے گھاٹ اُتروائے۔ لیکن سرکار نے ان کی درخواست یہ کہہ کر مسترد کی کہ جنگلی جانوروں کا تحفظ کرنا ہر ایک سرکار کا ایک لازم اور محکم فرض بنتا ہے۔

پس عرصہٗ دراز تک مختلف سرکاروں نے اس جنگل کو محفوظ رکھا۔ اور شیروں کی گنجان آبادی کی آلودگی سے اس جنگل کو پاک وصاف نہیں کیا۔

ایک دن شیروں کی ٹولی شہر میں گھس گئی اور لوگوں میں خوف و ہراس کا ماحول پیدا ہونے لگا۔ لیکن سرکار نے ماہروں کی صلاح کے مطابق شیروں کی ٹولی کو جنگل کی طرف واپس کرایا۔ وہاں پر بہت سے شیروں کے اجلاس طلب کیے گئے۔

مطلب یہ کہ کئی رنگ کے شیر اپنی اپنی قطار میں بیٹھے۔
لیکن ان شیروں نے کوئی بھی فرد آپس میں نہیں چنا جس کی وجہ سے شیروں میں ربط و ضبط برقرار نہیں رہا۔ کئی شیروں کی قطار جنگل کے ایک طرف سے نکلنے لگی۔ اور کئی شیروں کی قطار دوسرے شہر کی طرف روانہ ہونے لگی۔

لاتعداد شیروں کی آمد شہر میں جب دیکھنے میں آئی تو لوگ ڈرنے لگے تو سرکار بھی ان شیروں کے ساتھ بُرا برتاؤ کرنے پر مجبور ہوئی۔ لیکن جب ان شیروں کی قطار میں ایک شیر کی موت ہوئی تو پھر باقی شیر قطاروں میں بیٹھ کر شیر کے فرد کو چننے لگے۔

مطلب یہ کہ شیروں کی قطاروں نے اپنا بادشاہ چنا جس کو ہم "فرد" کہہ کر پکاریں گے۔ اور اسی کی رائے پر شیروں نے شہر چھوڑا اور اپنے اصلی مقام یعنی جنگل میں پھر پہنچ گئے۔ اور وہاں پہنچ کر قطاروں میں بیٹھ کر "بادشاہ شیر" نے یعنی "مرد شیر" نے) اپنے تاثرات شیروں کی قطاروں میں یوں پیش کئے کہ

اگر ہم نے پہلے پہل آپس میں فرد کو چنا ہوتا اور کسی نہ کسی کو فرد تسلیم کیا ہوتا تو ہمارے ایک شیر کو موت کے گھاٹ سرکار نہیں اُتارتی اور ہم جنگل سے باہر بھی نہیں جاتے۔ قطاروں میں شیروں نے اس بات کو تسلیم کرتے ہوئے یہ قرارداد متفقہ رائے سے منظور کی کہ شیروں کو بچانے کے لیے کسی نہ کسی کو بادشاہ قرار دینا چاہیے تاکہ ہمارا ڈر اس جنگل میں رہ کر دور ہو جائے۔

لیکن اس کے باوجود لوگوں نے شیر کے واقعات حکومت تک پہنچائے۔ اور درخواست کی کہ سرکار شیروں کو ڈرائے۔ اسی طرح کی کئی قطاروں سے اور کئی عرض داشتیں حکومت تک پہنچیں حکومت سے درخواست کی گئی کہ اس جنگل کو نیست و نابود کیا جائے تاکہ ہمیں جنگلی جانوروں کے خطرے سے آزادی ملے۔

پھر بھی سرکار نے ان قطاروں کی درخواست یہ کہہ کر مُسترد کی کہ یہاں جنگلی جانوروں کے بسنے سے ہر آلودگی دور

ہوتی ہے اور صحت محفوظ رہتی ہے۔

آخر کار سرکار کو عوام کے احتجاج کے آگے جھکنا پڑا اور شیروں کی بھرمار سے جنگلوں کو غیر محفوظ بننے نہیں دیا۔

قطاروں میں رہ کر ہی افراد کی شناخت کی جاتی ہے جو کہ کئی مشکلات کا حل دے کر مشکلات سے لوگوں کو مبرا کراتے ہیں۔ اگر فردوں کی شناخت سرکار کی نظر میں نہ آتی، تو ان شیروں کو فوری طور پر موت کے گھاٹ نہیں اُتارا جا سکتا۔ اور نا ہی جنگل کی حفاظت ہو سکتی۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ فرد کے مشورے سے ہی ہر شہر میں آلودگی کا علاج اچھے ڈھنگ سے ہوا اور جنگل بھی محفوظ رہا۔

مانتے ہیں کہ قطار میں مختلف رائیں ملتی ہیں لیکن ان کو صحیح سمت میں لانا کسی موزوں فرد کو چننے سے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ بس صرف یہی ایک پہلو نہیں بلکہ دنیا کے تمام ممالک میں فرد اور قطار کا استعمال وقتاً فوقتاً انسان کو لازمی طور پر کرنا

پڑتا ہے۔ مثلاً جب ہم صبح سویرے سیر کے لیے گھر سے نکلتے ہیں۔ تو پہلے پہل پرندوں کے ہم آہنگ نغمے کانوں میں رس گھولتے ہیں۔ پرندوں کی یہ آواز سن کر ہمیں قطار کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے اوران آوازوں کو تصور میں لانے کے لیے ہم بہ حیثیت فرد اپنے دماغ سے صلاح و مشورہ کرتے ہیں اور کچھ تاثرات لے کر اپنے دل سے کہتے ہیں کہ ہمیں ان قطاروں کی آواز میں کسی خاص پرندے کی آواز صبح کی سیر کرتے کرتے متاثر کرنے لگی ہے۔ یہی کچھ نہیں، بہت سی مثالیں زندگی میں آہی جاتی ہے۔ وہی مثالیں قطار کی صورت میں دل و دماغ میں چسپاں رہتی ہیں۔ اُن ہزاروں مثالوں کی یاد قطار یا فرد کی صورت میں کسی کسی وقت تازہ ہو جاتی ہے۔

دوستو! بہت سی مثالیں ملتی جلتی ہیں۔ اور ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ جب تک زندگی ہے تب تک ہمارے سنگی ساتھی قطار اور فرد دونوں ہیں۔ جب ہم کسی تجارتی بازار میں خاص چیز کی خرید فروخت کرنے جاتے ہیں تو اس وقت قطار کی

صورت میں دُکان کی سجاوٹ دیکھتے ہیں اس وقت ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ فرد نے دُکان کو سجایا تا کہ خریدار قطاروں کی صورت میں حاضری دیں۔

دُکان دار کی بھی کوشش یہی ہوتی ہے کہ گاہکوں کی قطار سے دُکان کی رونق بڑھے اور چہل پہل قائم رہے۔

خیر اب آپ دیکھئے اور سمجھئے کہ زندگی میں ہم کبھی فرد بنتے ہیں اور کبھی ہم قطار کی صورت میں نمودار ہوتے ہیں۔

صرف یہی مثالیں نہیں بلکہ اگر ہم ہزاروں مثالوں کو زندگی کے ساتھ وابستہ کریں گے تو ہم یہ تسلیم کریں گے کہ ہم قطار کی صورت میں بھی اور بہ حیثیت فرد بھی اس دنیا میں کام کاج نبھاتے ہیں۔ جب ہم کسی باغ میں بیٹھتے ہیں تو وہاں پر لاتعداد درخت پودے، پھول پھل دیکھتے ہیں۔ جب ہم بہ حیثیت فرد اس باغ میں بیٹھتے ہیں تو ہم کسی خاص بات یا کسی خاص تجویز کا مشورہ یا استصواب اپنے دل و دماغ سے کرتے ہیں۔

بہر حال کہاں تک ہماری سوچ پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ لیکن قطاروں میں رنگ برنگ کے پھولوں اور پتّیوں کو دیکھ کر اس سوچ میں بھی ڈوبتے ہیں کہ ہمیں کس پھول کے رنگ نے بے حد متاثر کیا ہے؟

یوں تو انسان کی زندگی قطاروں میں ہی زیادہ تر بسر ہوتی ہے۔ لیکن فرد بن کر اُس کو اپنی زندگی کی ماہیت کا احساس ہوتا ہے؟

جب ہم کسی حکیم کے پاس مرض کا علاج کروانے جاتے ہیں وہاں پر ہم بہ حیثیت مریض انتظار کی صورت میں اپنی حاضری دیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اور کئی مریض علاج کے لیے قطار کی صورت میں حاضری دیتے ہیں اور حکیم کو فرد بن کر مریض کا علاج کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ فرد کے تصور اور سوچ سے ہی بیماری کے علاج کا حل نکلتا ہے نہ کہ قطار کی صورت میں۔

ہاں......! البتہ جب حکیم کوئی خاص مرض کسی فرد میں

پاتا ہے تو وہ دوسرے دو تین حکیموں سے صلاح ومشورہ کر کے
بہ حیثیت قطار اُس مرض کا علاج ڈھونڈ نکالتا ہے۔ اس کا
مطلب یہ ہے کہ کسی خاص بات اور کسی خاص چیز پر قطار ہی کی
صورت حل نکلتا ہے۔

لیکن ہمیں یہ ماننا چاہیے کہ قطار اور فرد ایک باہمی رشتہ
رکھتے ہیں اور اس رشتے کو دنیا کی کوئی طاقت الگ تھلگ نہیں
کر سکتی۔

ایک مالک مکان کئی سال دو تین کمروں کے کرائے
سے اپنا گزارہ کرتا رہا۔ ایک دن مالک مکان نے کرایہ دار کو
مکان خالی کرنے کے لیے کہا۔ اور فرمایا کہ وقتِ مقررہ پر وہ
میرا کمرہ خالی کر دے۔ فرد بن کر اُس نے کرایہ دار کو دھمکی
دی۔ لیکن کرایہ دار ایک بہت ہی غریب اور خستہ حال بندہ تھا۔
جب اس قسم کی دھمکی اُسے مالک مکان سے ملی تو اُس
نے اپنے ہم عصر کئی دوستوں کو یہ واقعہ سنایا۔ اب وہ دوست
قطار کی صورت میں مکان مالک سے ملے۔ ان لوگوں کو قطار

کی صورت میں دیکھ کر مکان مالک ڈرنے لگا اور قطار کے سامنے گڑگڑانے لگا۔ اور بہ حیثیت فرد کرایہ دار سے ایک خاص وقت تک مکان خالی کرنے کی درخواست کی۔

مطلب کہنے کا یہ کہ قطار کو دیکھ کر مالک مکان بحیثیت ایک فرد کے مرعوب ہوگیا اور دُبک کر رہا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ فرد کا کوئی قانون بھی قطار کی صورت میں مُسترد ہوتا ہے۔ قطار کے ساتھ وابستگی رکھنا ایک اچھا مشورہ زندگی کی ترقی کے لیے ہے۔

قطار کے دباؤ سے قانون کا عمل بھی سُست ہوسکتا ہے۔ اور کسی جج کے انفرادی حکم نامے میں کچھ ترمیم کرنی پڑتی ہے یا تو اس کو مسترد ہی کرنا پڑتا ہے۔

خیر ــــــــ اس موضوع سے ایک الگ بحث ہوسکتی ہے نہ ہم قانون کے ماہر ہیں اور نا ہی قانون کو تشکیل دے سکتے ہیں یہ سرکار کا کام ہے۔ ہماری اس کام کے ساتھ کوئی بھی وابستگی نہیں۔

لیکن ہمیں اس بات کا احساس دلانا ہے کہ قطار اور فرد
قانون کے دائرے سے بھی باہر نہیں ہیں۔
ہم فرد اور قطار کے عمل درآمد کے بارے میں بہت سے
قصّے اور داستانیں لکھ سکتے ہیں۔
جب ہم کسی حسین ماحول میں بیٹھتے ہیں تو وہاں حسین
عورتوں کی قطار پا کر ہم کسی خاص عورت کو پسند کرتے ہیں اور
وہ عورت بھی قطار میں کئی مردوں کو دیکھ کر کسی خاص مرد کو پسند
کرتی ہے۔ ان دونوں کا پوشیدہ راز حاصل کرنے کے لیے
قطار اہم کام نبھاتی ہے۔
جیسے اگر ہماری وابستگی کسی خاص آدمی یا عورت کے
ساتھ ہو تو اس کو نزدیک لانے میں قطار کے اثر و رسوخ سے ہی
کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔
دوستو! کئی طالب علم ایک خاص جماعت میں اپنی تعلیم
حاصل کرتے ہیں اور کوئی خاص استاد ان کی تعلیم کی نگرانی کرتا
ہے۔ اُستاد اور طالب علموں کو سمجھنے میں فرد اور قطار، دونوں کا

عمل دخل ہے۔ جب کوئی غیر شخص مذکوہ جماعت کے طلبہ کے
کام کاج کی جانچ کے لیے حاضر ہوتا ہے تو اس وقت فرد بن
کے اُستاد ہی اس غیر آدمی سے ان طالب علموں کا تعارف
کراتا ہے۔

مطلب کہنے کا یہ ہے کہ فرد کا کام استاد نبھاتا ہے اور
جماعت کو قطار سمجھتے ہیں۔

اگر اس قطار میں استاد نہیں ہوتا تو ان طالب علموں کا
تعارف نہیں ہوتا پس ربط وضبط کے لیے کسی فرد کا کسی جماعت
کا نگراں و ہدایت کار ہونا ضروری ہے، گویا فرد، اور جماعت،
دونوں لازم وملزوم ہیں۔

اگر ایک شاعر اپنی شاعری کا کمال دکھانا چاہتا ہے تو وہ
فرد بن کے نہیں دکھا سکتا ہے۔ بلکہ جب قطار کے ماحول میں
اس کی وابستگی ادیبوں کے ساتھ ہوگی تب وہ فرد بن کے اپنا
کمالِ شاعری دکھا سکتا ہے اور فرد بن کے اپنی مشہوری پا سکتا
ہے۔

ایک بڑا شاعر جو بہت ہی اچھا کلام لکھتا ہے فرد بن کے صحیح شاعری کے دائرے میں آتا ہے لیکن افسوس ہے کہ اگر وہ قطار کے ماحول میں حاضر نہ ہو تو وہ فرد بن کر نہیں اُبھر سکتا۔ اور اس کی مشہوری نہیں ہو سکتی۔

ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ فرد بننے سے پہلے ہمارے لیے قطار کا ماحول بھی دیکھنا لازمی ہے ______ اور قطار کے ماحول میں بھی حاضری لازمی ہے۔

کئی سائنس داں دنیا میں نئے نئے تجربات سے لوگوں کو متاثر کرتے ہیں لیکن ان کا فن قطار کی صورت میں اور قطار کے ہمہ گیر اتفاق ہی سے مشہور ہوتا ہے۔

لیکن یہ بات افسوس سے کہنی پڑتی ہے کہ کسی کسی فرد کی اہمیت قطار کے لوگ تسلیم نہیں کرتے جس سے اس فرد کا حوصلہ دَب جاتا ہے۔ اور وہ شکست خوردہ ہو جاتا ہے۔ لیکن جب قطار میں ہی فرد کو تسلیم نہیں کیا جاتا تو کیا وہ ایسے حالات میں شکست خوردہ نہیں ہو سکتا؟

ایک بڑے سائنس داں نے ایک بہت ہی اچھا تجربہ جب اس دنیا کو دکھانے کی کوشش کی تو قطار میں کھڑے سائنس دانوں نے ایسی کوشش کو شکست دی جس سے وہ شکست خوردہ ہو گیا۔ اس شکست خوردگی کی وجہ سے اس سائنس دان نے ایک اور تجربہ دکھانے کی کوشش کی جس نے قطار کے سائنس دانوں کو شکست دی۔ لیکن پھر بھی قطار کے سائنس دانوں نے اس کی اہمیت کو تسلیم نہیں کیا۔

مطلب یہ ہے کہ جب تک قطار فرد کو تسلیم نہ کرے تب تک فرد کا نام مشہور و مقبول نہیں ہو سکتا۔

بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو پیدا ہونے کے بعد اس کے وارث اس کو کسی خاص نام سے پکارتے ہیں اور اسی نام سے اس کے ارد گرد رہنے والے ہمسایہ بھی اُس کو پکارتے ہیں۔ اور اس بچے کے رشتے دار بھی اسی نام سے پکارتے ہیں اور اسی نام سے بچپن سے لے کر مرتے دم تک پکارتے ہیں۔ مطلب کہنے کا یہ ہے کہ ہر ایک انسان کو اس دنیا میں اپنے نام سے

پکارتے ہیں اور پہچانتے ہیں۔

کئی امیر لوگ جب بچّے کا نام رکھتے ہیں تو اُس دن گھر میں شادی کا جیسا ماحول ہوتا ہے اور والدین فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہم اپنے خاندان میں اپنے بچے کا نام شان وشوکت سے تالیوں کی گونج میں رکھتے ہیں۔ تاکہ ہمارے بچے کا مستقبل اللہ تعالیٰ روز قیامت تک روشن رکھے۔ غرض بچہ فرد ہے اور نام سے فرد کی پہچان ہوجاتی ہے۔ اور اسی نام سے فرد کو پکارتے ہیں۔

مطلب یہ کہ نام کی شناخت سے ہی اور کام کاج سے ہی فرد کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

ایک بڑا مشہور شخص جس نے اس دنیا میں روحانی کارنامے دکھائے۔ اس کے روحانی کارناموں کو دنیا کے لوگوں نے بار بار اچھالا۔ لیکن اُس شخص نے اپنا نام لوگوں سے پوشیدہ رکھا۔ اگرچہ دنیا بھر کے لوگ کئی ممالک سے اُس کے پاس آئے لیکن اُس نے اپنا نام نہیں بتایا۔

اُس کے کارناموں سے لاتعداد لوگ مطمئن ہوئے تو

پھر دنیا بھر کے لوگوں نے یکجا ہو کر اُسے ایسے نام سے پکارا جو

کہ دنیا کے فردوں میں شمار کیا گیا۔

جب وہ اس دنیا سے رخصت پذیر ہوا تو اس کے

کارناموں پر تاریخ دانوں نے تاریخ لکھی اگرچہ اس نے اپنا

نام نہیں بتایا لیکن اُس کا نام دنیا بھر کے لوگوں نے جو رکھا اُسی

نام سے تاریخ دانوں نے اس کو موسوم کیا۔

مطلب یہ کہ کسی فرد کے اچھے کارناموں پر اُس فرد کو

ایک خاص لقب سے ملقّب کیا جاتا ہے۔

دُنیا میں لاتعداد لوگ رہتے ہیں اور لاتعداد ناموں سے

ان کی شناخت ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے چند

ایسے نام فرد کے طور پر مشہور ہوتے ہیں۔

ہم اصول فرد کے تحت کچھ لوگوں کے نام وِردِ اور مشہور

کرتے ہیں اور تاریخ داں بھی اُن فردوں کے نام تاریخ کے

صفحات کی زینت بناتے ہیں۔

کئی لوگ مختلف کاروباروں میں اپنا کام بہ حُسن وخوبی انجام دیتے ہیں۔ کئی لوگ کارخانوں میں کئی تعلیمی اداروں میں اور کئی علم طبیعات اور کئی ادبی حلقوں میں اپنا اپنا کام انجام دیتے ہیں۔ لیکن تحقیقات سے ہی اپنے اپنے کاروبار میں نمایاں کام دکھا کر دنیا کے مما لک میں مشہور ہوتے ہیں۔ اور خاص افراد ہی سے پہچانے جاتے ہیں۔

افرد کی تقسیم یوں ہی ہوسکتی ہے۔

جیسے کہ:

۱۔ ریاستی فرد

۲۔ ملکی فرد

۳۔ عالمی فرد

لیکن ان تینوں کی تقسیم سے ہم نے پایا کہ تمام کے تمام لوگ خاص فرد نہیں بنتے۔ ان میں چند خاص فرد، ریاستی طور پر، ملکی طور پر اور دُنیاوی طور پر تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اسی لیے ہر

فرد کو اونچے مقام پر پہنچنے کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے۔

کسی فرد کی مشہوری اچھی اقتصادیات پر بھی منحصر ہے۔

جس شخص کی مالی حالت اچھی رہی۔ وہ اپنے کاروبار کو بڑھاوے پر بڑھاوا دیتا رہا اس کے صدقے وہ ایک خاص فرد کے طور پر تسلیم کیا جانے لگا۔

لیکن دوستو! ہم نے تحقیق کر کے یہ بھی پایا کہ ادبی اور سائنسی میدان میں مالی حالت سے کوئی بھی شخص مشہور فرد نہیں بنا۔ بلکہ خاص تجربات اور تخلیقات سے ہی اُس کو دنیا کا خاص فرد تسلیم کیا گیا۔

مثلاً آپ شیکسپیئر، کیٹس اور ورڈز ورتھ ایسی عظیم شخصیتوں کو یاد کیجیئے۔ وہ کسی مالی معاونت کے بغیر ہی صرف اپنی بلند پایہ تخلیقات و نِگارشات سے فرداً فرداً یادگاری شاعروں ادیبوں اور ڈراما نویسوں کی حیثیت میں تسلیم کئے گئے۔

اسی طرح سے علامہ اقبال، غالب، میر اور دیگر شعراء

اپنی عظیم المرتبت شعروشاعری سے دُنیا کے ادبی حلقوں میں جیّد و مُتبحِر فرد تسلیم کیے گئے ہیں۔

جب کہ ان ہی کے دور کے کئی دوسرے انگریزی اور اُردو کے ادیبوں نے بھی اپنے اپنے ادبی کارنامے تو دکھائے لیکن وہ فرد ادبی حلقوں میں اُتنے مشہور نہیں ہوئے جتنا کہ انہیں ہونا چاہیے تھا، کیوں تحقیق و تنقید کی کسوٹی پر اُن کی تخلیقات خالص عیار نہیں پائی گئیں۔

ہاں یہ بات بھی ناقابل تردید ہے کہ کئی ایسے جانے مانے ہوئے ادیبوں، شاعروں مصنفوں، مفکروں وغیرہ کو شہرت کا تاج اس لیے نہیں پہنایا گیا یا انہیں انعام واکرام سے نہیں نوازا گیا، کیوں کہ وہ خوددار تھے۔ نِڈر حق گو تھے، ایمان فروش نہ تھے۔ لالچی نہ تھے۔ چاپلوس نہ تھے، خودغرض نہ تھے، فریبی نہ تھے، مطلبی نہ تھے، ریاکار نہ تھے، شہرت کے بھوکے نہ تھے اِبنُ الوقت نہ تھے، بھاڑے کے ٹٹّو نہ تھے۔

کسی کے ڈھنڈورچی نہ تھے اور نا ہی کوئی اُن کا

ڈِھنڈورچی تھا۔

سائنسی میدان میں کئی ایسے سائنس دان ہوئے ہیں جن کو اسی طرح سے دنیا میں بہ حیثیت فرد تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن ان ہی کے دَور میں کئی ایسے سائنس داں بھی ہیں جن کو محدود طریقے سے فرد تصور کیا جاتا ہے۔

مطلب کہنے کا یہ ہے کہ کسی خاص کام سے ہی دُنیا کے فردوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

اب ہمیں اس بات کو بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ مالی طور پر ہنر کے معاملے میں بعض شخصیتیں یہ بات تسلیم نہیں کرتیں ہم۔ فرد تب بن سکتے ہیں جب کہ ہم دُنیا اکے حلقوں میں کوئی ایسا نام اور کام دکھا کر یہ ثابت کریں گے کہ صحیح طور پر کوئی خاص ہنر دنیا کے ادبی بازار میں دنیا کے سائنسی بازار میں قابل قبول ہے۔ چنانچہ سائنسی تحقیق و تدقیق ہی سے ایک فرد دُنیا کا ایک مشہور اور معتبر فرد بن سکتا ہے۔

تحقیق بہت سے واقعات، کارناموں اور دیگر طور

طریقوں کی بِنا پر کی جاتی ہے ہم وہی تحقیق صحیح مانتے ہیں جس کے نتائج فراہم ہوجائے پر عالمی حلقوں میں صحیح اور مُستند تسلیم کئے جائیں۔

آج کل کے دَور میں کئی کردار اور افراد اس لیے بھی مشہور ہوتے ہیں کیونکہ اُن کو اطلاعاتی حلقوں کی طرف سے زیادہ ترجیح دی جاتی ہے اور ان کی نشریات زیادہ طریقے سے مختلف اطلاعاتی حلقوں کے ذریعے قوم کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ چنانچہ سائنسی تحقیق وتدفین ہی سے ایک فرد دُنیا کا ایک مشہور اور مُعتبر فرد بن سکتا ہے۔

ہمیں بحث ومباحثے میں قطار سے وابستگی فرد کی بیان کرنی ہے۔ کیوں کہ فرد کی قطار سے اور قطار کی فرد سے پیوستگی لازمی ہے۔

جب میں نے ایک فرد سے پوچھا کہ آپ کو ریاست بھر میں فردی طور پر کیسے مشہوری ہوئی تو اس نے بتایا کہ کئی وسائل استعمال کرنے پڑے ہیں۔ اس میں سے مالی وسائل زیادہ طور

پر استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ اس کے علاوہ جس کسی چیز پر مشہوری پانے کی کوشش کرتے ہیں اس سلسلے میں ہمیں کئی قطاروں کے اثر ورسوخ سے فرد کی صورت میں مشہوری ہوتی ہے۔ اور اُنہی قطاروں کو مالی طور طریقے سے صحت مند کرنا پڑتا ہے جن سے ہم ریاستی فرد کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔

جب فرد کی شناخت ہوتی ہے تو لوگ اس کی تصویر کسی رسالے یا اخبار میں دیکھتے ہیں اور نشریات کے حلقوں سے بھی لوگوں کے سامنے وہ تصویر دکھائی جاتی ہے۔ کئی دفعہ انہیں کسی مسئلے پر نشریات کے ذریعے بات چیت کرنے کے لیے بلاتے ہیں۔ یہ سب تب ہوسکتا ہے جب کہ ان کا اِنفرادی وجود اہم تسلیم کیا جاتا ہے۔

کئی بار ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں جن سے کسی فرد کے خلاف توہین آمیز باتیں اخباروں میں شائع کی جاتی ہیں جن سے ان کی عزت میں خلل سا پیدا ہوتا ہے۔ اور اُن حلقوں سے اُن کے رشتے میں دراڑ پڑ جاتی ہے۔ جن حلقوں سے ان

کے فرد ہونے کی پہچان ہوتی ہے۔ وہی حلقے قطار بن کے اس

راز کو فاش کرتے ہیں کہ مالی امداد دے کر ہمیں اس فرد کی

نشریات کے ذریعے مشہوری کرنی پڑی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب لوگ کئی طریقوں سے

فرد کے کارنامے پہچانتے ہیں اور اس کی تصویر آنکھوں ہی

آنکھوں میں رقصاں دیکھتے ہیں، تو وہی لوگ وقتاً فوقتاً ان کے

نئے کارناموں پر آپس میں چہ میگوئیاں کرتے ہیں۔ خواہ وہ

سیاسی فرد ہو، تجارتی فرد ہو، یا ادبی فرد ہو، وغیرہ۔

کارناموں کا فرد ہو، فرد کی پہچان کام کاج سے ہی ہوتی

ہے۔ اور یہی پہچان عوامی حلقوں میں رائے کی صورت اختیار

کرتی ہے۔

جب ایک بار ایک بڑا ابھاری آدمی شہر میں تجارتی

کاروبار کرنے بیٹھا۔ اُس نے بہت سارا روپیہ تجارتی کاروبار

سے کمایا کماتے کماتے وہ بہت ہی بڑا امیر شہر میں بن بیٹھا۔

جب ایک آدمی نے اس سے کہا کہ اے بھائی میں بھی

آپ کی طرح وہی تجارت کرنا چاہتا ہوں جس کی ابتدا آپ نے پہلے پہل کی تھی۔ آپ کی مالی حالت کیسے عروج پر پہنچی اور میری حالت اسی سطح پر تب سے آج تک برقرار ہے۔

امیر آدمی نے جواب دیا...... امیر آدمی بننے کے لیے جمہوری نظام میں کئی طور طریقے اپنانے پڑتے ہیں۔ جو طور طریقے آپ نے اپنی تجارت میں نہیں اپنائے جس کی وجہ سے آپ کی مالی حالت نہیں سُدھری۔

جمہوری طرزِ نظام میں کسی بھی طور طریقے کو اپنانے کے لیے کوئی قانونی اور غیر قانونی طور پر کسی بھی تجارت پر اور کسی بھی تاجر پر دباؤ نہیں ڈالا جاتا ہے۔

اگرچہ میں سو روپیہ نفع کھاتا رہا۔ اس میں سے پچیس روپے مختلف سیاسی تنظیموں اور مختلف سرغنوں کو طریقے سے دیتا رہا اور اُن ہی کی حوصلہ افزائی سے میں تجارتی ماحول میں بہت ہی مشہور ہوا۔

غرض کہ ہمیں اس بات کو تصوّر میں لانا چاہیے کہ جن

وسائل سے تجارت میں مشہوری ہوئی انہی وسائل کو قطار کے

وسائل سمجھنا چاہیے۔

☆

اب ہم ان باتوں کے بحث ومباحثے سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ فرد کس کس طریقے سے اس دُنیا میں بن سکتے ہیں اور کس طریقے سے فرد کی پہچان ہوسکتی ہے۔لیکن ہم قطار کی وضاحت ابھی تک نہیں کرسکے۔

جب ایک ادیب سے پوچھتے ہیں کہ قطار کیا ہے......؟ وہ جواب میں کہتے ہیں کہ دس بیس آدمیوں کے ایک ہی سمت میں انتظار کرنے یا بیٹھنے کو قطار کہتے ہیں۔

لیکن جب ہم کسی خاص چیز کے لیے بازار چلتے ہیں وہاں پر بھی قطار کی صورت دیکھنے میں آتی ہے جب اسکولوں اور مدرسوں میں جاتے ہیں تو وہاں پر طالب علموں کو وردی پہن کر مختلف جماعتوں میں دیکھ کر کہتے ہیں کہ قطار جیسی صورتِ حال پائی جاتی ہے۔

ان مختلف مختلف واقعات میں مختلف مختلف قطار کی
صورت حال دیکھنے میں آتی ہے جیسے کہ ایک مشہور حکیم کے
پاس کئی بیمار اپنے علاج معالجے کے لیے جاکر قطاروں میں
بیٹھتے ہیں۔ اسی طرح سے کئی سیاسی فردوں کو اور سماجی فردوں
کو، مطلب یہ کہ مختلف فردوں کے پاس ملنے کے لیے کئی لوگ
قطاروں میں بیٹھ کر باری باری ملنے کی کوشش کرتے ہیں۔
اب رہا سوال کہ گہرے طور طریقے سے موضوعِ قطار کا
مطلب ڈھونڈنے کے لیے ہمیں اس بات کا احساس پیدا ہوتا
ہے۔ جب ہم مذہبی رسومات میں حاضر ہوتے ہیں تو اُس
وقت بھی قطاروں میں بیٹھ کر خدا کے پاس حاضری دیتے
ہیں لیکن یہ حاضری اللہ تعالیٰ کے دائرۂ اختیار میں ہے۔ کیا وہ
ہمیں کسی قطار میں بیٹھ کر ہماری بات کو قبول کریں گے۔ لیکن
ہم اپنے طریقے سے قطار میں بیٹھ کر تندہی سے عبادت کرتے
ہیں۔

قطارِ غیر حاضر:

جب ہم کسی خاص جگہ پر جانے کی کوشش کرتے ہیں تو
ہم رُسُل و رسائل کے طور طریقے جلدی پانے کے لیے کسی
خاص مقام پر کسی خاص گاڑی کا انتظار کرتے ہیں۔ لیکن
ہمارے حاضر ہونے سے پہلے وہ گاڑی ہم سے چھوٹ جاتی
ہے۔ اور پھر قطاریں حاضری دے کر اُس گاڑی کا نئے انداز
سے انتظار کر کے دل سے یہ کہتے ہیں کہ قطار میں غیر حاضر
ہونے کی وجہ سے گاڑی ہم سے چھوٹ گئی۔

لیکن جب ہم گہرے انداز میں سوچتے ہیں کہ ہمیں
جہاں جانا ہوتا وہاں نہیں پہنچتے۔ وہاں کے لوگ شکل کو یاد
کر کے مطلب یہ کہ تصور کو سامنے لا کر اس بات کا احساس
ضرور محسوس کریں گے کہ بندہ حاضر ہے لیکن قطاریں غیر حاضر
بھی ہے۔

کئی بار ایسا واقعہ بھی ہوتا ہے کہ جب ہم قطار میں کسی خاص مقصد کے لیے بیٹھتے ہیں تو قطار سے باہر کئی خودغرض لوگ ہم سے کتراتے ہیں۔ بدقسمتی سے ہم قطار میں ہوتے ہوئے بھی نامراد ہی رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہم بار بار قطار میں بیٹھ کر کوشش کرتے ہیں لیکن کامیاب نہیں ہوتے۔

اپنی صحت کی صورتِ حال کو دیکھ کر ہم قطار میں اُن صحت مندوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ جن کو خوش کرنے کے لیے اور اپنی تجارت کو بڑھاوا دینے کے لیے ایک امیر تاجر اچھی مٹھائیاں بانٹتا ہے۔ تا کہ اُس کے ہٹے کٹے کارکن مٹھائی کھا کر اُس کی تجارت کی وسعت کے لیے دُعا کریں۔ اور دل و جان سے کام کریں۔

جب اس مٹھائی کو وہ قطار میں تقسیم کرتا ہے اور اُس قطار کو تحس نحس دیکھ کر ضعیف آدمی اور نکمّا آدمی اس مٹھائی سے محروم ہوتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ قطار میں بیٹھ کر بھی جیسے قطار میں غیر حاضر رہا۔

جب کوئی ناکام آدمی اپنی خستہ حالی کی وجہ سے تنگ آتا ہے اور اس کے پاس جب اُس کی جیب بالکل خالی ہوتی ہے تو پیسے کمانے کے چکر میں پریشان ہوتا ہے۔ اور اس خستہ حالی کو ختم کرنے کے لیے وہ بُری صحبت میں اپنی حاضری دیتا ہے۔ اور اُن پانچ چھ سات آدمیوں کے گروہ میں شامل ہو جاتا ہے جن کی مالی حالت اسی طرح کی ہوتی ہے۔ اور وہی لوگ پھر قطار میں بیٹھ کر کئی ایسی تجاویز جو غیر قانونی ہوتے ہیں عمل میں لا کر اِرتکابِ جرم کرتے ہیں۔

جیسے کہ قطار میں بیٹھ کر کسی ایک کو نقب زنی کرنے کے لیے مجبور کرتے ہیں۔ اسی طرح سے کئی قسم کی نقب زنیاں کرتے ہیں جیسے کہ جب کوئی بھیڑ دیکھتے ہیں تو اس بھیڑ میں گھس کر کسی خاص آدمی کی جیب کاٹتے ہیں۔ اور جب اس جرم کا پردہ فاش ہو جاتا ہے تو اسی وقت اس قطار کے اقبالِ جرم کے پردے چاک ہوتے ہیں۔ اور ایسی قطار سے اللہ تعالیٰ نجات بخشے۔

قطار میں کئی واقعات اور صدمات پیدا ہوتے ہیں۔ کسی وقت قطار میں بیٹھ کر ہم کبھی محبت کے رُجحان میں آتے ہیں اور اس رجحان کو کامیاب کرنے کے لیے بہت سی کوشش کرتے ہیں۔ ہم صبح سوتے ہیں یا شکست خوردہ ہوتے ہیں۔ لیکن یہ واقعہ قطار میں بیٹھ کر ہی شروع ہوتا ہے۔

لیکن فرد کا تصور قطار میں ضرور آ ہی جاتا ہے۔ قطار میں ایک گروہ کی صورتِ حال پیدا ہوتی ہے۔ جیسے کہ جب ہم کوئی گانے بجانے کی محفل مرتب کرتے ہیں تو کئی سازندوں کو مدعو کر کے انہیں ساز بجانے کے لیے کسی خاص غزل کے ساتھ بجانے کے لیے کہا کرتے ہیں لیکن جب ہم ان کو یہ کہتے ہیں کہ کس طریقے کا ساز ایک ایک فرد کو جٹ کر کے آواز پیدا کرنی ہے ایسے ہدایات ایک فرد ہی دیتا ہے۔ اور اسی فرد کے زیرِ اہتمام غزل گائی جاتی ہے۔

اس طرح جب کوئی ساز چھوٹ جاتا ہے تو قطار میں باقی ساز بجانے والے یہ محسوس کرتے ہیں کہ کوئی ساز ان سے

چھوٹ گیا ہے۔ جس فرد کے زیراہتمام یہ ساز بجانے کا اشارہ چلتا ہے وہ فرد بہت ہی مایوس ہوتا ہے کہ کوئی قطار میں چھوٹ گیا۔

لیکن یہ آواز قطار کی صورتِ حال سے ہی محسوس ہوتی ہے لیکن ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ فرد اور قطار اگر الگ ہوتے ہیں پھر بھی فرد کو قطار کے ساتھ قریبی وابستگی ہے۔

ہمیں اس بات پر بحث کرنا پڑی کہ فرد اور قطار الگ الگ کوچوں سے گزرتے ہیں۔ لیکن ہم نے فرد کے بارے میں صحیح باتیں کہیں لیکن پھر بھی وہ مکمل نہیں ہیں۔ لیکن ہمیں قطاروں کی وابستگی فرد کے ساتھ بیان کرنی ہے اور ان کا الگ الگ رشتہ بھی ظاہر کرنا ہے۔

اسی لیے قطار میں بہت سی خامیاں بھی ہیں اور خوبیاں بھی ہیں۔ قطار میں فیصلہ بہت دور تک موجود رہتا ہے اور فرد میں محدود طور طریقے سے رہتا ہے۔

جب ایک فرد بہت ہی مشہور ہوا اور خاصا منافع بخش۔

تجارت شہر میں کرتا رہا تو لاتعداد گاہک اُس کی تجارت کی تعریف کرنے لگے۔

جب دوسرے تجارتی پیشہ لوگوں نے یہ سنا کہ ہماری تجارت کمزور ہورہی ہے اور اُس کی تجارت کی خاص مشہوری ہورہی ہے اور مالی حالت بھی بہت ہی اچھی ہے، تو ان تاجروں نے ایک قطار بنائی جو خفیہ طور پر جائزہ لینے لگی کہ کس فرد کی تجارت وسیع طور پر بہت ہی مشہور گاہکوں کے سامنے نظر آرہی ہے۔ تو انہوں نے قطار میں یہ تجویز رکھی کہ ہم اس تاجر کے ملازموں کو جو کہ وہاں کام کرتے ہیں اُنہیں کو بہلا کر پھسلا کر اس کی تجارت میں رخنہ ڈالیں گے۔

جب ان تاجروں نے خفیہ طور پر منصوبہ بنایا اور آخر کار ان ملازموں کو اپنی تحویل میں لاکر اس کی تجارت کو گراوٹ میں قائم و دوائم رکھ کر اور مالی طور پر گراوٹ میں رکھ کر بدترین سی غربت کا درد پیدا کرنے لگے۔

مطلب کہنے کا یہ ہے کہ کوئی خاص گروہ جو قطار کی

صورت میں مذکورہ تاجر کو گرفتار کر کے لے گیا اور اُس کی مالی حالت کو کمزور کر دیا لیکن ایسی قطار کو ہم دہشت گرد قطار ہی سمجھ سکتے ہیں۔

اب ہم ایسی ہی بات پھر بیان کرتے ہیں۔:

ایک دفعہ ایک مذہبی آدمی مذہبی باتیں لوگوں کو سناتا تھا اور ان کو مذہب کی تشبیہ انسانیت کے اصولوں کے ساتھ وابستہ کر کے سمجھاتا رہا۔ جب کسی خاص گروہ نے یہ سوچا کہ یہ مذہبی اصولوں کو انسانیت کے ساتھ وابستگی کر رہا ہے۔

اس گروہ نے یہ سوچا کہ یہ ان کے لیے قابلِ اعتراض ہے تو اس گروہ نے اس مذہبی اصول پرست کو (مولوی ہو یا سادھو ہو) ایسے ہی آدمی کو مدِّنظر رکھا جو کہ ہمیں مذہبی اصولوں کو انسانی اصولوں کے ساتھ وابستہ کر کے بتائے کہ مذہب پرست نہیں رہنا چاہیے بلکہ مذہب کے اصول مان کر انسانی مذہب پرستی میں اپنی زندگی کو نچھاور کرنا چاہیے۔

مطلب یہ کہ مذہب کے اصولوں پر قائم و دوائم رہنا

چاہیے دنیا میں کوئی مذہب بھی یہ بات نہیں بتاتا کہ ہمیں کوئی انسانیت سوز وِ فعل کرنا چاہیئے۔

غرض کہنے کا مطلب یہ ہے کہ چند قطار آدمیوں نے ایسا سنا تو انہوں نے ایسے مذہبی کہنے والے کے خلاف ایسی سازش رچائی کہ اس کو عورت کی بے حرمتی پر اور بُرے سلوک پر بدنام کر کے لوگوں کے سامنے عزت کی دراڑ پیدا کی لیکن پھر بھی لوگوں نے ایسی دراڑ تسلیم نہین کی۔

ایک عظیم الشان دُنیا کا سیاست داں تمام ممالک میں لوگوں سے جا کر کہنے لگا کہ طرزِ جمہور میں ہر ایک کو مساوی حق ملتے ہیں اور لوگوں سے یہ کہا گیا کہ طرزِ جمہور کے اصولوں کو بلا لحاظ مذہب وملّت تسلیم کرنا۔

جب دنیا بھر میں ایسے سیاست داں کو مشہوری ملی تو وہ ایک عالمی فرد بن کر اُبھرنے لگا۔ دُنیا میں کئی لوگ بس میں بیٹھ کر ٹولیاں بنا کر ایسے سیاست داں کے خلاف اپنی مہم چلانے لگے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ یہ قطار کی بدعت تمام ممالک میں پھیل کر
نمودار ہونے لگی جس کی وجہ سے ایسے عالم گیر سیاست داں کو
ان کے راستے پر چلنے کے لیے بہت سی رکاوٹیں ہونے لگیں۔

تب سے آج تک ایسی ہی قطاریں یا ٹولیاں دنیا بھر
میں قطار کی صورت میں موجود ہیں جن کی وجہ سے جمہوری
نظام میں کئی قسم کی وقتاً فوقتاً دراڑیں آتی ہیں۔ ان دراڑوں کو
باشعور اور تعلیم یافتہ شہری ہمہ گیر صورت میں نیست و نابود کرتے
رہتے ہیں۔

غرض کہ کسی فرد کو اُبھرنے کے لیئے کئی قطاروں کا ساتھ
دینا بہت ہی ضروری ہے۔

جب دُنیا بھر کے لوگوں میں محسوس ہوا کہ ہم دنیا میں
امن اور آشتی کے ساتھ رہنا پسند کرتے ہیں۔ پھر کیوں کسی نہ
کسی وقت دنیا کے مختلف ممالک میں ایک دراڑ پیدا ہوتی
ہے۔ دُنیا بھر کے لوگوں میں یہ احساس پیدا ہونے لگا کہ
دراصل یہ جنگ اسّی فیصد غربت کی صورتِ حال سے پیدا

ہوتی ہے جب ہم اس صورتِ حال کو قابو میں رکھیں گے اور امیر ممالک کا غلبہ غریب ممالک پر بہت ہی کم رہے گا۔ اس وقت ان قطاروں سے نجات حاصل ہو جائے گی۔

دنیا میں کئی فرد انسانی اصولوں کی جنگ کا ذکر جب عوام کے سامنے رکھتے ہیں تو ان کی دراڑ کے لیے کئی قطاریں پیدا ہوتی ہیں۔ جن کی وجہ سے عوام کا رجحان سوچ سمجھ کو درہم برہم کر کے رکھتا ہے۔

خیر ـــــ بات یہ رہی کہ کئی فرد اُبھرتے ہیں اپنے اپنے مختلف ہنروں میں، لیکن ان کو گرانے کے لیے کئی قطاریں، کئی اشخاص پیدا کر کے ان کے اصولوں کی آبیاری کو درہم برہم کرتے ہیں اور وہ فرد اپنے کام سے ہاتھ دھوتے ہیں۔

اب اس بات کا ذکر کریں گے کہ دُنیا میں سب قطاریں ایسی نہیں پاتے۔ ایسی بھی قطاریں اس دنیا میں رونما ہوتی ہیں جو کہ غریبوں کو مالی امداد فراہم کرتے ہیں۔ اور کسی غریب فرد کو

امیر کا فرد بنا کر یہ دکھاتے ہیں کہ ان کی قطار میں ایک اہم طاقت موجود ہے سماج میں کئی بدحالیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جن کو دُور کرنے کے لیے سماج میں کئی قطاریں نمودار ہو جاتی ہیں اور وہ ان بدحالیوں کو دور کر کے ہی دَم لیتی ہیں۔

مطلب کہنے کا یہ ہے کہ قطار صحیح بھی ہے اور غلط بھی ہے۔ ان دونوں کا مفہوم الگ الگ نچوڑ کے ہم کہیں گے کہ قطار اچھی صورت میں اچھے طور طریقے سے پیش آتی ہے۔ اور بُری صورت میں بُرے طور طریقے سے پیش آ کر بُرا ہی کہتے ہیں۔ اسی لیے ہم یہ کہیں گے کہ قطارِ رونق اور قطارِ فراموش۔ اگر قطار کی رونق اچھی ہے اور اس رونق کو اپنانے سے سکون آئے گا اس رونق کو قطارِ رونق کے نام سے پکار کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دل و دماغ میں یاد رکھیں گے۔

قطارِ فراموش جب ہم بُرے اصول ان قطاروں میں پاتے ہیں تو ہمیں ان سے نجات پانا لازم ہے ہمیں یہ بھی کوشش کرنی چاہیے کہ ہم قطارِ فراموش کے سرغنوں کو سمجھائیں

کہ آپ لوگ ایسے اصولوں سے دوچار ہیں۔ پھر اگر ان اصولوں کو وہ ترک نہیں کر سکے تو ہمیں ایسی قطار سے بالواسطہ الگ رہنا چاہیے۔

اب ہم اس بات پر اتفاقاً پہنچے اور واقعات سُن کر اور ان کی تشبیہہ دے کر ہمیں اس بات کا احساس پیدا ہوا کہ قطارِ رونق اور قطارِ فراموش دو ایسی قطاریں ہیں جن سے فردی کاموں میں ترقی اور رُکاوٹ آسکتی ہے۔ لیکن ہم لوگ فردی بن کر اور قطار میں بیٹھ کر کس طرح سمجھ سکتے ہیں کہ ایک فرد کو کس قطار سے وابستہ ہونا چاہئے اور اس کی پہچان کن اصولوں سے ہوسکتی ہے۔

جب ایک بار ایک آدمی اپنے کاروبار کے لیے گھر سے قطار کے طریقے سے نکلا اور کاروبار ڈھونڈنے کے لیے بازار میں گھومتا ہوا نظر آیا۔ ایک دُکان دار نے اس کو بلا کر یہ کہا کہ آپ کیوں سڑک کی خاک چھان رہے ہو......؟

جواب میں اُس نے کہا کہ وہ کوئی کام ڈھونڈ رہا ہے

تا کہ وہ دن کی روزی کما کر شام کو گھر واپس جا سکے۔

دُکان دار نے جان پہچان کے بغیر اُس کو اپنی دُکان میں بطورِ ملازم تعینات کیا۔ دُکان دار نے بہت سا کام اس کے سپرد کیا دس پندرہ دن کے بعد دُکان دار کو اپنی دُکان کی اچھی ترقی دکھائی دی۔

جب دُکان کی اچھی ترقی ہونے لگی تو دُکان دار نے ایک اور ملازم رکھا۔ لیکن دونوں کو دُکان دار نے الگ الگ کام سونپا۔ تو جو دوسرا ملازم رکھا وہ کسی خاص پہچان اور ذمے داری کے بھروسے پر ہی دُکان کی ملازمت حاصل کر گیا۔

باوجودیکہ جو پہلا ملازم دُکان دار کے پاس بھرتی ہوا اس کی دُکان کے مالک کو پہچان نہیں تھی اس کو اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم پر دُکان کی ملازمت فراہم ہوئی۔ لیکن چھ سات مہینے کے بعد دوسرے ملازم نے بددیانتی کا پرچم لہرایا۔ دُکان دار کی دُکان کی مالی حالت بُری طرح سے متاثر ہونے لگی۔

غرض کہ دُکان دار نے دونوں ملازموں کو ان کی

ملازمت سے برطرف کر دیا۔

اس سے صاف ظاہر ہوا کہ دونوں ملازموں نے ایسا ماحول دُکان دار کے کاروبار میں پیدا کیا جس کی وجہ سے دونوں کونوکری سے ہاتھ دھونا پڑا۔اور خود دُکان دار کو اپنی خستہ حالی دیکھ کر بڑی شرم محسوس ہوئی۔ یہاں تک کہ دُکان دار کو لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی نوبت آ گئی۔

غرض کہ دوسرے ملازم کی بددیانتی سے اتنا کہرام مچ گیا کہ دُکان دار کو خستہ حالی کا منہ دیکھنا پڑا۔

غرض کہ جن افراد کو ہم نے زیرِ بحث لایا۔ان دونوں کا واسطہ پہچان سے ہی ظاہر ہوتا ہے۔

اگرچہ ہم نے فرد و قطار کے تعلقات اور ان کی الگ الگ حرکتیں اظہار کیں لیکن ہم نے مان لیا کہ فرد قطار آپس میں جوڑ بھی کھاتے ہیں اور نفاق بھی پاتے ہیں۔ یہ سب ماحول ہم کسی پہچان کی صورتِ حال میں ظاہر کر سکتے ہیں۔

مثلاً جس دُکان دار کا واقعہ میں نے مندرجہ بالا سطور

میں ظاہر کیا آپ سوچیے کہ کسی پہچان کے بغیر وہ کوئی نوکر رکھتا ہے، تو وہ نوکر دیانت داری سے کام کرتا ہے اور یہی دیانت داری اُس کی پہچان ہے، لیکن کچھ وقت کے بعد یہی نوکر بددیانت ہو جاتا ہے اور اس کی بددیانتی اُس کی پہچان کو غیر پہچان بناتی ہے، یعنی مسخ کر کے رکھتی ہے۔

غرض کسی فرد کا کردار ہی قطاریں یا "قطار سے باہر اُس کی پہچان کی صحیح کسوٹی ہے۔ پس ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ دُنیا میں کسی کی صحیح پہچان بہت ہی مشکل ہے۔ جس سے انسان کو زندگی بھر کافی اُتار چڑھاؤ کا مقابلہ بھی کرنا پڑتا ہے۔

جب ہم اپنے بچے کی شادی خوش اسلوبی سے کرتے ہیں تو اس کی بیوی بہت ہی اچھی اور دیانت دار تصور کی جاتی ہے۔ ساس اور سسُر اور تمام رشتے دار اُس کی تعریفیں کرتے رہتے ہیں اور کبھی بھی ان کی زبان پر ناشکری کے جملے نہیں ہوتے۔

لیکن کئی سالوں کے بعد اس تعریف کو حذف کر کے یہ

کہتے ہیں کہ پہچان غلط پہچان ہوگئی۔ دراصل ہم یہ کہہ سکتے ہیں
کہ فرد کی پہچان بہت ہی مشکل ہے۔

یہ بات میں نے پہلے ہی کہی ہے کہ جب کوئی فرد دنیا
میں مشہور ہوتا ہے اور اپنے کارناموں سے پہچانا جاتا ہے تو اس
کی پہچان کو مفقود اور منسوخ کرنے کے لیے کسی قطار کا گروہ
کام کرنے لگتا ہے۔ جس کے تحت اس فرد کی پہچان دُنیا میں پہلے
سے کم ہونے لگتی ہے۔

ویسے اگر ہم موضوعِ پہچان پر بحث کرنے بیٹھیں گے تو
ہم پہلے پہل یہ کہیں گے کہ ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ کرسی
ہے اور دوسرا آدمی بھی پہچان کرکے اقرار کرنا چاہیے کہ واقعی
کرسی ہے جس چیز کو ہم پہچانیں گے اُس کا موضوع نام پہلے
ہی رکھا ہوا ہوتا ہے۔ تعارف کرنے والا ہی ہمیں پہچان کر کے
بتاتا ہے کہ اس چیز کا نام کیا ہے۔ تب تعارف کرنے والا ہمیں
بتا سکتا ہے جب وہ اس چیز سے فیض یاب ہوا ہے۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس

چیز کا نام یہی ہے۔ وہی تعارف کرنے والا ہمیں تعارف کرتے کرتے پہچان کراتا ہے۔

جب ایک بچہ گھر میں بالغ ہوتا ہے تو اس کے والد اور والدہ اپنے مختلف رشتے داروں سے اس کا تعارف کراتے ہیں جس سے کہ اُسے اپنے رشتے داروں کی پہچان ہوتی ہے۔

کیا والد اور والدہ اس بچّے کی پہچان کے استاد قرار نہیں دیے جاسکتے ؟ جب یہی بچہ مدرسہ میں داخلہ لیتا ہے تو اس کے بعد اس کی پہچان دوسرے بچوں کے ساتھ استاد کراتا ہے۔ کیا اس تعارف کو ہم پہچان نہیں کہہ سکتے۔ لیکن وہ والد اور روالدہ دونوں باعثِ شرم ہیں جو کہ بچّے کو کسی بھی وقت کسی چیز کی غلط پہچان کرائیں یہ بات گناہ کا سبب بنتی ہے۔

ہر ایک چیز کی پہچان صحیح طور پر کرنے سے صحیح اصولوں کا جامہ بچے کو زیب تن کیا جاسکتا ہے اور زندگی کے ہر مرحلے میں اُس کی صحیح رہنمائی کی جاسکتی ہے۔

آج کل کی ''امن کانفرنسوں'' میں بھی الگ الگ ملکوں

کے انہی نما پسندوں کو شمولیت کی اجازت دی جا سکتی ہے، جن کی پہچان مشکوک نہ ہو۔ گویا کسی اجتماع یا ''قطار'' میں بھی ہر فرد کی شناخت ضروری ہے، حالانکہ یہ ایک مشکل بات بھی ہے۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اندورنی اور بیرونی پہچان کرنا اس دَور میں بہت ہی مشکل ہے۔ اگرچہ ہم نے کوئی فرد دکھایا اور فرد کو شناخت کیا لیکن ہم شکل سے پہچان گئے لیکن بیرونی اور اندرونی طور پر نہیں پہچان سکے۔

اسی طرح ہم یہ شناخت کر سکتے ہیں کہ اگرچہ کوئی قطار دیکھی جاتی ہے وہاں پر وہ لوگ کسی خاص موضوع پر قطار بن کے اپنی حاضری دیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ان کے موضوع کی پہچان ہوتی ہے لیکن کسی وقت کسی فرد کے اشارے پر کوئی قطار مرتب کی جاتی ہے۔ یہ تو مرتب کرتے کرتے ان کی حرکتوں کی پہچان نہیں سمجھ سکتے۔ ایسی پہچان کو ہم پوشیدہ پہچان کہہ سکتے ہیں۔

ایک سادھو جو کہ اپنی روحانیت کا کمال لوگوں کو دکھا رہا
ہے۔ لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ کس بات پر روحانی چمتکار
دکھاتا ہے۔ ایسی پہچان کو ہم موضوع پہچان طلب کہہ سکتے
ہیں۔

جب کسی شخص کے کسی کے ساتھ پوشیدہ محبت کے رشتے
بڑھتے ہیں تو آہستہ آہستہ رشتہ اقرار میں پا کر ہم لوگ دیکھتے
ہیں کہ ان دونوں کا رشتہ دل کے لگاؤ سے ہوا ہے۔

پہل پہلے ہم تعریف کرتے کرتے یہ کہتے ہیں کہ یہ
بہت ہی شریف اور خاندانی طور طریقے کے لوگ ہیں۔

مطلب یہ کہ ہم ان کے اندرونی پہچان کی شناخت نہیں
کر سکتے۔ اسی لیے پہچان دل کہہ کر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ کسی
دل کی پہچان کرنا بہت ہی مشکل ہے۔

دنیا کے کئی سراغ رسانی کے محکمے یہ کہنے میں ناکامیاب
رہے ہیں کہ کس آدمی کی کس قسم کی پہچان سے اقرار کر سکتے
ہیں۔ مطلب یہ کہ سراغ رسانی کسی آدمی کی اندرونی پہچان

کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔

جب لوگوں نے طرزِ جمہور میں کسی سیاسی فرد کو اپنا مستقبل اس کے حوالے کیا تو لوگ بڑے ہی طُمطراق سے کہنے لگے کہ فرد کو ہم لوگ صدق دل سے سے پہچانتے ہیں اور قوم کی بھلائی کے لیے بہت ہی اچھے کارنامے دکھائے گا۔ لیکن جب وہ فرد حکومت چلاتا رہا تو سب سے پہلے پہل اپنے رشتے داروں کے لیے دولت، مال اور جائیداد سمیٹنے کی فکر اور تگ و دو میں رہا اور اپنے ملک کی اقتصادی حالت کو بد سے بدتر بنانے کا مرتکب ہو گیا۔

حالت یہاں تک پہنچی کہ ملک کسی غیر ملک کے قرضے کے جال میں بُری طرح پھنس کر غلامی کے ماحول میں گرفتار ہوا۔ تب لوگوں کو محسوس ہوا کہ ہمیں اپنے فرد کی صحیح پہچان ہی نہیں تھی۔

مطلب یہ کہ کوئی بھی شخص جو خواہ وہ کسی بھی دھندے سے تعلق رکھتا ہو اس کی پہچان کے بارے میں ہم کچھ نہیں بیان

کر سکتے۔ اگر چہ ہم حیوانوں کے بارے میں بھی پہچان موضوع کے بارے میں بیان کریں گے تو ہم یہ کہیں گے کہ کتے قطار میں بیٹھ کر سوئے تھے۔اور کوئی راہ گیر سڑک پر چل رہا تھا اور اس کو اس بات کی پہچان نہیں تھی کہ وہ بیدار ہو کر حملہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

کیا پتہ اُن کتوں نے پہلے سے ہی حملہ کرنے کی سازش راہ گیر پر رچائی تھی ان کتوں کے اندرونی چالوں کی پہچان پر راہ گیر کیا کر سکتا ہے۔کبھی بندر جب محبت کے طریقے سے کوٹھے پر بیٹھتا ہے اور غیر آدمی کو یہ معلوم نہیں کہ بندر اُس کے ہاتھ سے روٹی چھین کے بھاگ جائے گا۔اس طرح کی پہچان کرنا اس دَور میں بہت ہی مشکل ہے۔

آج کل کے زمانے میں پہچان کے طور طریقے سے بھی کئی تجارتی ماحول بازاروں میں گرم کر کے پاتے ہیں جیسے کہ ایک گروہ قطار میں اپنے دھندے کے لیے کسی فرد کو یہ کہہ کر لوگوں کے سامنے بھیک مانگنے کے لیے آتے ہیں اور اُس

فرد کو جو کہ ان کے ساتھ ہوتا ہے کہتے ہیں کہ کسی ناگہانی آفت کی وجہ سے اس فرد کو امداد فراہم کی جائے۔ امداد کرتے وقت لوگوں کو پہچان نہیں ہوتی کہ یہ فرد قطار کی صورت میں ایک تجارت کا دھندا انجام دے رہا ہے۔

لیکن جب بعد میں سرکاری اہل کار یا غیر سرکاری اہل کار اس راز کو فاش کرتے ہیں تو اس وقت امداد کرنے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک تجارتی دھندا فرد اور قطار کے ذریعے لوگوں تک پہنچایا گیا۔ اور پہچان کر کے بتانے لگتے ہیں کہ ہر کسی دھندے کی پہچان کرنا بہت ہی مشکل ثابت ہوتا ہے۔

پھر اس موضوع پر یہ عنوانِ موضوع لکھتے ہیں کہ پہچان دھندا بہت ہی مشکل ہے۔ دھندے کی پہچان کرنا انسان کو تجارتی اُصولوں کے قوانین کے پڑھنے سے ہی معلوم ہوتا ہے۔

خیر ____ ہم نے موضوع فرد، موضوعِ قطار، موضوع پہچان پر بہت کچھ روشنی ڈالی لیکن اس روشنی کو متواتر

اور قطارِ موضوع یا زندگی کے اچھے آثاروں کے ساتھ کس طرح وابستگی پائیں گے۔ جس سے ہم فرد، قطار کی پہچان ٹھیک طریقے سے کر سکتے۔ ہم پہلے پہل پہچان کر کے ہی اُن موضوعات کا ذکر کر سکتے ہیں۔

☆

جب میں فرد بن کے اس دُنیا میں آیا تو میری آواز کی پہچان والد اور والدہ نے سنی تو انہوں نے میری آواز کو اچھے ڈھنگ سے سجا کر پیار اور محبت کے مناظر سے روشناس کرایا جب مجھے بھوک محسوس ہوتی تھی تو میں زار زار روتا۔ اور میرے رونے کی آواز سن کر مجھے میری والدہ گود میں بٹھا کر میری بھوک کی شدت کو اختتام تک پہنچا کر سلاتیں۔

اسی طرح آہستہ آہستہ چھ سال کا پہنچ کر جب میں تھوڑا سا بڑا ہوا تو مجھے والد اور والدہ نے مدرسہ میں داخل کرایا۔ وہاں پر میں فرد بن کے نہیں بلکہ کسی خاص موضوع کے نام پر داخلہ ہوا۔

مطلب یہ کہ مجھے گھر میں ایک نام سے پکارتے اور مدرسہ میں جب داخلہ ہوا تو خاص موضوع کے نام پر مجھے والد اور والدہ کی معرفت داخلہ حاصل ہوا۔ میں کئی طالب علموں کا دوست بنا اور اُستاد اور مختلف نصابوں کی پہچان ہوئی۔

میں بنیادی تعلیم کی حقیقت سے مدرسے میں ہی آشنا ہوا۔ غرض کہ میں طالب علم کے طرز کے تحت بیٹھ کر اُستاد کی باتیں سنتا رہا۔ میرے استاد جس کسی موضوع پر مجھے سبق پڑھاتے وہ سبق ہمیشہ یاد رہا۔ کبھی انسانیت کے موضوع پر مجھے بہت سی باتیں سناتے رہے۔ مجھے یاد ہے جب انہوں نے انسانیت کے اصولوں پر زور دیکر کہا کہ ان اصولوں کو عمر بھر کے لیے یاد رکھنا چاہیے۔

ہم ایسے اصولوں کی باتیں گھر پر والد اور والدہ کو بھی سناتے رہے۔ وہ ہمیں اس موضوع پر کئی کتابیں پڑھنے کے لئے دیتے تھے اور ان کی کہانیوں کا نچوڑ سنا کر ہمیں انسان پرست بنانا چاہتے تھے۔ جب ہمیں مدرسے سے چھٹی ملتی تھی تو

ہمیں راستے پر ربط وضبط سے چلنے کی تلقین اور ہدایت اُستاد کا صحانہ زُبان سے ہوتی تھی۔

مجھے یاد ہے جب ایک بار میں سڑک کو پار کر رہا تھا تو پار کرتے کرتے میرے ایک دوست نے ایک شریف کتے کو اپنی تختی سے مارنے کی کوشش کی۔ ہم قطاروں کی صورت میں مدرسے سے نکل رہے تھے۔ میرا ایک دوست قطار سے الگ ہو کر کتے کو تختی سے مارنے لگا۔

جب استاد کی نظر میرے اس دوست پر پڑی تو اسی وقت استاد نے اُسے ربط وضبط کے ماحول میں گھر کو روانہ کیا۔

میں نے یہ واقعہ اپنے والدین کو سنایا کہ میرے ایک دوست نے ایسی غلطی کی جس سے ہمارے استاد اُس دوست سے بہت ناراض ہوئے۔ اور اپنے والدین کو میں نے یہ بھی سنایا کہ میرے دوست کی اس حرکت پر اسے استاد مدرسے سے برخواست نہ کریں گے۔

اگر اس کے ساتھ استاد نے ایسا سلوک کیا تو اس

صورت میں میں مدرسہ نہیں جاؤں گا۔ جب میں نے یہ بات
اپنے والدین کو بتائی تو انہوں نے مجھے نصیحت کی کہ حیوان بھی
ایک انسان ہوتا ہے۔ اگر یہ کتا آرام کی نیند سو رہا تھا تو اسے
تختی سے کیوں مارا......؟ کیا یہ غلطی تمہارے دوست کی نہیں
ہے۔ اس کی اس غلطی پر اُس کے والدین کو چاہیے کہ وہ
مدرسے میں ایسا غلط راستہ آئندہ کے لیے اختیار نہ کرے۔

جب مجھے مدرسہ کا وہ دَور یاد آتا ہے جب کہ میرے
اُستاد اور میرے گھر والوں نے مجھے حیوان اور انسان کے
بارے میں کچھ اچھی اور نصیحت آموز باتیں بتائیں اور
سمجھایا کہ کسی انسان کو کسی بھی حیوان پر اچانک حملہ نہیں کرنا
چاہیے۔

اگرچہ ہم انسان ہیں اس لیے ہمیں انسانیت کے
اصولوں کے تحت انسانی پہچان رکھنا بہت ضروری ہے۔ اور
جب میں یہ نصیحت یاد کرتا ہوں تو مجھے اُس بات کی یاد آتی ہے
جب میں اُس طالب علم کو جس نے ربط ضبط کا ماحول ایسے

انداز سے خراب کیا تو اُسی طالب علم کو کسی غلط قطار میں بیٹھ کر دیکھا اور وہاں وہ بہت ہی غلطیاں کرتا رہتا ہے۔

اگر اس کی غلطی کو عین وقت پر اُس کے والدین نے درست کرائی ہوتی تو وہ غلط قطار میں حاضری نہیں دیتا۔ جب بھی میں اُس طالب علم کو راستے میں دیکھتا ہوں تو مجھے ہتک محسوس ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ہاتھ ملانے پر، پھر بھی میں گھر کی عادات کے مطابق اور مدرسے کے استادوں کی نصیحت کے مطابق اُس کو دیکھ کر دل اور دماغ سے سلام کرتا ہوں۔

گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک طالب علم نے کسی ایسے فرد کے ساتھ تعلق منقطع کیا جس کی حرکت اُس کو بُری لگی۔

ہمیں اُن طالب علموں کو جن کو ربط وضبط کی پہچان اور بنیادی اصول معلوم ہی نہیں، اچھے طور طریقے سکھا کر صحیح راستے پر چلنے کی تلقین کرنی چاہیے۔ اس سلسلے میں اُستاد کا رول نہایت اہم ہے۔

اس لیے ایک استاد کا بھی فرض ہے کہ وہ طالب علموں کے لیے ایک خوشگوار ماحول پیدا کرے۔ اگر دو دھڑوں میں ایک جماعت کے طلبہ تقسیم ہو جائیں گے تو اس سے ایک استاد کے لیے بہت ساری مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ اس لئے مدرسے اور کمرۂ جماعت میں ربط وضبط کا صحیح ماحول قائم کیا جانا درس وتدریس کی بنیادی شرط ہے۔

ایک استاد کا فرض ہے کہ وہ طالب علموں کو ایک ہی رنگ کی وردی پہننے کی اہمیت سے روشناس کرے، کیوں کہ ایسی وردی یکسانیت اور انسانی مساوات کی علامت ہے۔

غرضیکہ وردی کے معاملے ہی میں نہیں، بلکہ مدرسے کی ہر ہر تدریسی عمل اور طلبہ کی ذہنی اور جسمانی نشو ونما سے متعلق تمام سرگرمیوں میں ایک ضبط و ربط کا ہونا ازبس ضروری ہے، نہیں تو غلط رو طالب علموں کی تعداد بڑھنے سے ملک کے ربط و ضبط پر بہت برا اثر پڑنے کا امکان ہے اور یہی طالب علم غلط قطاروں میں بٹ کر سماج میں گندہ ماحول اور آلودگی پیدا

کرتے ہیں۔

ہمیں اُستاد کے رویے پر بھی غور سے تحقیق کرنا چاہیے۔

جو کہ ملک کے آنے والے سماج کے لیے تہذیب و تمدّن اور ربط و ضبط کا ایک روشنِ مینار ایستادہ کر کے گمراہ لوگوں کی صحیح رہنمائی کرتا ہے۔

لیکن یہ بات بھی صحیح ہے کہ کسی فرد کو بنانے یا بگاڑنے والا اُستاد ہی ہوتا ہے اِسی لیے مدرسے میں طالب علم کے داخلہ لینے سے پہلے والدین کو اُستاد کی پہچان ضرور ہونی چاہئے۔

رہا سوال فرد، قطار اور پہچان جیسے موضوعات کا سو اس ضمن میں میں نے ایک بڑے ماہر تعلیم سے رجوع کیا اور ان سے پوچھا کہ فرد یا، پہچان اور قطار جیسے الفاظ کی تشریح و توضیح کیا ہو سکتی ہے؟

تو جواب میں اس تعلیمی صلاح کار نے کہا کہ میں بھی

ایسے ہی موضوعات پر تحقیق کرتے کرتے بوڑھا ہو چکا ہوں اور پھر بھی ناکامیاب رہا ہوں۔ اب میں نے تحقیق اس تشبیہہ کے ساتھ منسوخ کی ہے جس کی وضاحت یوں بیان کرتا ہوں۔

جب میں نے فرد، پہچان اور قطار جیسے الفاظ پر تحقیق کرنا شروع کی۔ اس وقت شجر کاری کا مہینہ تھا اور اُس مہینے میں بہت سے لوگ اچھے اچھے پودے لگا کر اپنے اپنے باغیچے کو سجاتے رہے۔ لیکن میں نے ایسا پودا بویا جس کو بونے سے پہلے مجھے ماہرِ باغبان سے صلاح ومشورہ کرنا پڑا۔ اور باغبان نے یہ وعدہ کیا کہ جب ایک پودا بڑا ہو جائے گا تو اس کی عمر دو ہزار سال تک رہے گی۔ یہ پودا سال بہ سال اونچا ہوتا جائے گا۔ اگرچہ اس پودے سے کوئی میوہ نہیں ملے گا۔ لیکن اس کے ہرے پتّوں کے سونگھنے سے بڑھاپے میں یادداشت دوگنی رہے گی۔ اوران کے پتوں کے سونگھنے سے بچپن کے نظارے زیادہ یاد آئیں گے۔

گو یہ پودا چنار جیسا دکھائی دے گا لیکن صورت چنار کی رہے گی۔ اور کام دوسرے طور طریقے کا رہے گا۔ غیر آدمی یہ شناخت کرے گا اور شناخت کرتے کرتے اس بات کو بھی تسلیم کرے گا کہ یہ چنار کا درخت ہے۔

جب میں نے باغبان سے پودے کی تعریف اس کے لگانے سے پہلے سنی تو میں بہت ہی خوش ہوا۔ میری آنکھوں سے مسرت کے آنسو بہنے لگے۔

جب میں نے پودا بویا تو اس وقت میں نے ایک تحقیقی مقالہ لکھنا شروع کیا۔ جب میں نے یہ پودا بویا تو اس وقت میرے ذہن میں فرد، پہچان قطار جیسے الفاظ پر تحقیق کرنے کا خیال آیا۔

اب جب کہ ان الفاظ پر تحقیق ہی کر رہا ہوں اور آپ جیسے دوستوں نے مجھے انہی الفاظ کے بارے میں تحقیقاتی بات چھیڑی جب کہ میں حیران ہوں کہ آپ جیسے غیر تعلیم یافتہ کو ان الفاظ پر تحقیق کا ماحول کیسے دماغ میں پیدا ہوا۔

اب میں پہلے پہل یہ تحقیق کروں کہ کسی چیز کسی لفظ پر جو کہ ایک دوسرے کے ساتھ ملتے جلتے نہیں اور کیسے بھی خیالات ایک جیسے پیدا ہوتے ہیں۔ اگرچہ تعلیم یافتہ ان الفاظ کے بارے میں بات چھیڑتا ہے اور ان ہی الفاظ کی تحقیق میں مصروف ہوں۔ یہ کیسے ہو بہو تحقیق کا پتہ، پیغام میرے پاس پہنچا۔

اب میں پہلے اس غیر تعلیم یافتہ کو اس بات کے لیے پوچھوں گا کہ آیا آپ کے ذہن میں ان الفاظ کی اُپج کیسے ہوئی۔ جب اُپج ہونے کا ذکر میرے ذہن میں آئے گا اور مجھے ایسے الفاظ پر تحقیق کرنے کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ ہموار ہو جائے گا۔

یہ باتیں سن کر مجھے محسوس ہوا کہ اس عالمی ماہر تعلیم نے مجھے گرفتاری جیسے ماحول میں رکھ کر پریشان کیا۔ میں نے ایک سیدھی سادی بات ماہر تعلیم کو کہی اور اس عالمی ماہرِ تعلیم نے مجھے گرفتار چوں وچرا کیا۔

مطلب یہ کہ ماہر اب پوچھ رہا ہے کہ آپ نے قطار، فرد، اور پہچان جیسے لفظوں کا تعلق تعلیم کے ساتھ جوڑ کر کیسے سوچا۔ ارے بھائی میں نے اس ماہر کو سیدھے سادے طریقے سے پوچھا کہ آپ نے کوئی تحقیق مرتب نہیں کی جس سے مجھے ماہر کے ذریعے کوئی اَتا پتہ ملے۔

اب ماہر تعلیم مجھے پہلے پہل تحقیقاتی ماحول میں ڈال کر ہی کوئی اتا پتہ فراہم کرے گا۔

خیر _____ کوئی نہ کوئی صحیح اطلاع فراہم ہو ہی جائے گی۔

جب میں نے اس ماہرِ تعلیم سے یہ کہا کہ آپ نے فلاسفی کے مطلب فلسفی داں کے طرز پر تحقیق اور مطالعہ کرنے کا تفتیش جیسا ماحول میرے دماغ میں ڈال کر لاجواب بُت جیسی زبان مرتب کرائی۔ اب میں آپ سے ایسے الفاظ کے بارے میں کوئی بھی ذکر نہیں کروں گا۔

جواب میں ماہرِ تعلیم نے مجھے یہ کہا کہ آپ کو میں پانچ

چھے کتابیں پڑھنے کے لیے پیش کروں گا اور ان کتابوں کو پڑھ کے اور تحقیق کر کے مجھے کسی نہ کسی بات پر، لفظ پر یا مضمون پر کوئی نہ کوئی نچوڑ ضرور فراہم ہو جائے گا۔

اب میں اُن باتوں کا ذکر بار بار نہیں کروں گا جس سے آپ کا دل و دماغ مایوس سا محسوس ہونے لگا۔

خیر ______ ان کتابوں کو پڑھ کر نچوڑ کا دائرہ فراہم ہونے کے بعد میں آپ کو بھی ایک تحقیق کار کی حیثیت سے تسلیم کروں گا۔

ان کتابوں کو پیش کرنے سے پہلے میں اس بات کی بھی تحقیق کروں گا کہ کتنا عرصہ ان کتابوں کو پڑھنے پر صرف کیا۔ اور اتنے ہی عرصے تک میں اُس درخت کا اُگنا تحقیق کر کے دیکھوں گا۔ کتاب دس دن تک بھی پڑھ سکتے ہیں۔ دس سال تک بھی پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن پڑھنے پڑھنے میں فرق ہوتا ہے۔ پڑھائی کے بارے میں دنیا کے بیشتر تعلیمی ماہروں نے اپنی قیمتی آرا اور ہدایت کار مشورے دیے جن کے نچوڑ ہمیں یہ

نصیحت حاصل ہوتی ہے۔

کتاب کی پڑھائی صرف لفظوں کا ہیر پھیر نہیں بلکہ پڑھائی کرتے وقت کتاب کے ہر صفحے کا لہجہ پڑھنے والے کوتا عمر یاد رہنا چاہیے۔اور مختلف الفاظ کا نچوڑ اور مفہوم کس طرح سے مصنف نے ظاہر کیا ہوتا ہے وہ الفاظ اور نچوڑ کا طور طریقہ یاد رہنا چاہیے۔تاکہ لکھائی کے وقت اُن لفظوں کا نچوڑ یاد کرکے جس کو ہم ظاہر کرسکتے ہیں پڑھائی سے ہی ایک قلم کار کی تخلیقی سکت اُس کے قلم میں پیدا ہوسکتی ہے۔

دنیا میں ہزاروں کی تعداد میں یا پھر لاکھوں کی تعداد میں یا پھر کروڑوں کی تعداد میں مختلف مضامین کی کتابیں دن رات لوگ پڑھتے ہیں اور اکثر کتابوں کا مفہوم اپنے دماغ میں ڈال کر یاد رکھتے ہیں۔کئی ایسے بھی لوگ اس دنیا میں پڑھائی کرتے ہیں جو کہ تعلیم میں امتحان کے مضمون کی کتاب پڑھ کر جماعت میں کامیاب ہونے کے لیے کتاب پڑھتے ہیں۔

لیکن باوجود اس کے کہ جب ان کا امتحان اختتام پر

پہنچتا ہے تو اس کے بعد وہ ان کتابوں پر بحث و مباحثہ نہیں کر سکتے۔

غرض کہ انہوں نے عارضی طور پر کتابیں پڑھیں اور جماعت میں کامیابی حاصل کی اور کتابوں کا اصلی مفہوم نہ سمجھ کر جوں کے توں ہی رہے۔

کئی ایسے طالب علم بھی اس دنیا میں موجود ہیں جو کہ امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد ان کتابوں کے ہر ایک مضمون پر نئی تحقیق مرتب کرکے ایک نیا ڈھنگ یا نئی لچک ان کتابوں پر بطورِ تبصرہ بیانِ ذکر کرتے ہیں اور بہت سے لوگ ان تحقیقاتی سطور کو پڑھ کر حیران ہوتے ہیں اور ان کو تعریفوں کے طُومار باندھتے ہیں۔

غرض کہ ان کتابوں کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد مجھے معلوم ہو جائے گا کہ کس طرح سے اور کتنا وقت ان کے مطالعہ میں صرف کیا اور کتنی حد تک مصنف کی باتوں کو دماغ کی پٹاری میں محفوظ رکھا۔

اب مجھے اُس ماہر تعلیم سے مطلوبہ کتابیں حاصل ہوئیں۔ بہت سی کتابیں تھیلے میں رکھ کر گھر کی طرف روانہ ہوا اور دل ہی دل میں سوچتا رہا کہ کب میں گھر پہنچوں اور اپنے کمرے میں بیٹھ کر ان سب کتابوں کو پڑھوں اور اب اُس ماہر تعلیم کے ساتھ کئی باتوں پر بحث و تمحیص کروں۔

جب میں گھر پہنچا تو وہاں پر اپنی بیوی کو تلقین کی کہ ان کتابوں سے پڑھنے کے بعد ہی میں گھر کا کام نبھاؤں گا اس وقت تک گھر کا کام خود نبھانا۔ پہلے پہل میری بیوی مجھ سے ناراض ہونے لگی۔ پھر بعد میں ناراضگی کے ماحول کو ٹال کے رضامندی کے ماحول میں اقرار کر بیٹھی۔

خیر ـــــــ میں جب کمرے میں بیٹھا تو اپنے تھیلے میں دس کتابیں دیکھیں۔ ان دس کتابوں کے مختلف مختلف عنوانات پڑھ کر پریشان ہونے لگا۔ لیکن میں نے پریشانی کو سمندر میں ڈالا اور ایک خاص مضمون کی کتاب فی الحال پڑھنے کے لیے ان دس کتابوں میں سے چن لی۔ اس کتاب کا عنوان

(مقامی شان) تھا۔ ہاتھ میں رکھ کس اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔

ایک گاؤں میں اسّی (۸۰) فیصدی لوگ غربت کے ماحول میں زندگی گزارتے ہیں۔ کئی سالوں کے بعد گاؤں والوں نے بادشاہی راج کو ختم کیا اور عوامی راج نافذ العمل کیا اور نافذ کرتے کرتے اردگرد کے گاؤں والوں نے اس گاؤں کا جمہوری پرچم تسلیم کیا۔

اب یہاں کے لوگ یہ محسوس کرنے لگے کہ جمہوری طرز کے مطابق ہر ایک کو برابر کے حقوق ملیں گے اور ساتھ ہی فرائض اور ذمہ داریاں بھی سونپی جائیں گی جن کی بدولت چھوٹے چھوٹے بچوں کو تعلیم کا ماحول مافراہم ہو جائے گا۔

ایک آدمی کے چار بچے اسکول میں اس اُمید پر داخل ہوئے کہ ان کے گھر کا ماحول بہت ہی اچھا رہے گا۔ اور ان کے والدین کی مالی حالت بہتر ہو جائے گی۔

خیر ______ غربت کا مقابلہ کرتے کرتے ان چار

بچوں کو اچھی تعلیم ملی۔ تعلیم حاصل کرنے کے بعد مختلف سرکاری اور غیر سرکاری محکموں میں کام کرنے کے لیے نوکری فراہم ہوئی۔

جب یہ بچے کماتے رہے اور والدین کی خدمت کرتے رہے۔ مکان نئے سرے سے تعمیر کیا۔ گاؤں کے لوگ ان کی اقتصادی حالت دیکھ کر بہت ہی خوش ہوئے۔ کئی ہمسائے لوگ یہ بھی سوچنے لگے کہ ان کی حالت بھی ان ہی کی طرح سُدھر جائے۔

خیر ____ اب بچّوں کی شادی کا وقت آ پہنچا۔ اور والدین نے ان چاروں کی شادی اپنے ہی رشتے داروں میں کی۔

اب یہ چاروں بچے ایک خاندان کے چار فرد بنے۔ لیکن ہر ایک فرد میں یکسانیت کے خیالات کا ماحول نہیں پایا جاتا ہے۔ اور یکسانیت کا ماحول نہ پائے جانے کی وجہ سے ان لوگوں کے ماں باپ پریشان سے دکھائی دینے لگے۔ مگر ان

باتوں کو اپنے ہی دائرے میں محدود رکھ کر راز کا پوشیدہ ورق اپنے دلوں میں چسپاں کیا۔

پہلے بچے نے بطور اصل فرد کے اپنا ڈیرا اپنے ماں باپ سے الگ جمایا اور اپنی مالی حالت بہت اچھی بنائی۔ جب ان کی مالی حالت اچھی ہوگئی تو گاؤں کے ماحول میں لوگوں کے سامنے بڑا لڑکا تسلیم کیا گیا۔

لیکن وہ اپنے ماں باپ کو عزت واحترام کی نظروں سے دیکھنے کی بجائے غرور اور تکبّر کی آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ لیکن یہ آنکھیں دیکھ کر بھی تکبر کی فضا صاف جھلک رہتی تھی۔ ماں باپ نے اُسے بددعا دینے کی بجائے دُعاؤں سے نوازا۔

باقی تین بچوں نے بھی اپنے بھائی کی بے وفائی دیکھی جو کہ اپنے ماں باپ کے لیے نافرماں بردار بیٹا ثابت ہوا۔ ان میں سے ایک بھائی نے بے وفا بھائی کو ختم کرنے کے لیے ایک سازش منظّم کی لیکن اس سازش سے اپنے دوسرے بھائیوں اور والدین کو یکسر بے خبر رکھا۔ لیکن اس سازش سے

ناواقف بھائی اور سازشی بھائی تینوں مل کر گھر کی حالت سُدھارنے میں لگ گئے اور اِس طرح سے اُن کی اور اُن کے والدین کی مالی حالت بھی بہتر رہی۔ لیکن ان میں سے ایک بھائی کو بھائی کی بے وفائی سے شدید کرب اور اِضطراب ہوا۔ اور اسی وجہ سے اس بھائی نے اپنے سگے بھائی کو اس طرح سے سڑک پر قتل کیا کہ اس شہادت کا راز آج تک افشا نہیں ہوسکا۔

مطلب کہنے کا یہ ہے کہ والد اور والدہ نے چار افراد خاندان کے لیے پیدا کیے، لیکن ان چاروں فردوں میں ایک فرد بے وفا نکلا اور قطار سے الگ ہوکر موت کے گھاٹ اُترا۔

لیکن جب قاتل بھائی نے والد اور والدہ کو اپنے بڑے فرد کی پُراسرار موت پر دماغی پریشانی کی حالت میں دیکھا تو اس فرد کو محسوس ہوا کہ میں نے واقعی غلطی کی ہے۔ اور یہ سوچ کر اور ماں باپ کی بدترین صورتِ حال دیکھ کر اس کے چہرے پر مایوسی کے بادل چھانے لگے۔

اب قاتل نے اپنے ماں باپ کو تنہائی میں اپنے بے وفا

بھائی کو قتل کرنے اور اس قتل کو صیغۂ راز میں رکھنے کا سبب بتایا۔

جب ماں باپ نے یہ بات سنی تو وہ درد و غم سے بالکل پاگل سے ہو گئے۔ انھوں نے قاتل بیٹے کو ملامت کرتے ہوئے بتایا کہ تم نے بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ اس لیے ہم دونوں میاں بیوی زندگی بھر کے لیے اپنا خونی رشتہ منقطع کریں گے۔

جب قاتل بیٹے نے والدین کی یہ للکار سنی۔ تو اس نے خود بخود ہی متعلقہ پولیس تھانے میں جا کر پولیس والوں کو بتایا کہ میں نے ہی اپنے بے وفا بھائی کو اپنے ہاتھوں سے قتل کیا ہے۔ اور جب اُس کے ماں باپ نے یہ سنا کہ اُس نے خود بخود اقرار جرم کیا ہے، تو پاگل پن کی صورت میں وہ دونوں ہی تڑپ تڑپ کر انتقال فرما گئے۔

جب میں نے یہ کہانی پڑھی، تو مجھے محسوس ہوا کہ کس طرح 'فرد' اور 'قطار' میں رخنہ اور دراڑ پڑ جانے سے ایک المناک صورتِ حال پیدا ہو جاتی ہے۔

جب میں نے دوسری کتاب پڑھنے کے لیے اُٹھائی، تو

میں کتاب کا عنوان پڑھ کر بہت ہی متاثر ہوا۔ کتاب کا عنوان تھا۔ (''آفتاب کی کرنوں میں جو اہم نہیں'') کتاب کی کہانی بیان کرتا ہوں:۔

کسی شہر میں ایک بہت بڑا تجارتی شخص رہا کرتا تھا۔ اس کی مشہوری سے لاتعداد آدمی بہت ہی متاثر ہوئے ہیں۔ اس کی تجارت سے بھی اور اُس کے با اخلاقِ کلام سے یہی کہا کرتے ہیں کہ اُس شہر میں اس کی تجارت پر اس کی دِن کی آمدنی چھ ہزار سے بھی اوپر رہتی ہے۔

خیر ______ ہمیں اس بات کو کوئی موضوعِ بحث نہیں بناتا ہے۔، بلکہ صرف کتاب کے مطابق اس کی کردار سازی پر تبصرہ کرنا ہے۔

کہتے ہیں کہ اس کا لڑکا بہت ہی پڑھا لکھا ہے۔ لیکن وہ ٹانگوں سے ٹھیک ڈھنگ سے نہیں چلتا ہے۔ اس کے لنگڑے پن کو دور کرنے کے لیے اس تجارتی آدمی نے بہت سے روپے اس کے علاج پر صرف کیے۔ لیکن بدقسمتی سے صحت یابی

نہیں ہوئی۔

مطلب یہ کہ اتنے پیسے خرچ کرنے کے باوجود لنگڑے پن میں کوئی کمی نہیں آئی۔

اب آہستہ آہستہ لڑکے کی عمر بڑھنے لگی اور بالغ بھی ہونے لگا۔ اسی لیے اس تجارتی آدمی نے اس لڑکے کی شادی کے لئے دوڑ دھوپ شروع کی، لیکن کسی نے بھی بیٹی کی شادی اس تاجر کے بیٹے کے ساتھ رچانے پر رضامندی ظاہر نہیں کی۔

اسی طرح ہوتے ہوتے چھ سال کا عرصہ گزر گیا۔ اور کوئی بھی لڑکی والا اس لڑکے سے اپنی بیٹی کی شادی کے لیے تیار نہیں ہوا۔ جس کی وجہ سے تاجر بہت ہی پیشانیوں میں گھر گیا۔ غرض کہ لڑکے کی معذوری کے باوجود تاجر نے اپنی کوشش کا دامن نہیں چھوڑا۔

آخر کار ایک دن تاجر ایک مشہور آدمی سے ملا جو کہ روحانیت کا اثر بھی جانتا تھا۔

غرض کہ تاجر نے اس پریشانی میں مبتلا ہو کر اُس بزرگ سے گزارش کی کہ سات سال سے کوئی بھی لڑکی والا میرے لڑکے کو پسند نہیں کرتا ہے اس لیے کہ میرا لڑکا بچپن سے ہی تھوڑا لنگڑا کر چلتا ہے۔

اس بزرگ نے جواب دیا کہ اگر کسی سازش کے مطابق لڑکی والا رضا مندی کا اظہار کرے تو اس صورت میں شادی تسلیم کرو گے......؟

تاجر نے ہاں میں جواب دیا۔

اب اس بزرگ آدمی نے تاجر کو کہا کہ اس سازش کے لیے کم از کم بیس ہزار کی مالی امداد حاصل ہونی چاہیے۔ تاجر نے اسی وقت بیس ہزار روپے اس بزرگ آدمی کے حوالے کیے۔

تاجر یہ مسئلہ ختم کر کے بزرگ آدمی سے رخصت لے کر اپنے گھر واپس آ گیا۔

اس بزرگ آدمی نے تاجر کے دیے ہوئے پیسے کو اپنے پاس امانت کے طور پر رکھ لیا۔ پھر اس کے بعد مختلف قطاروں

کے ساتھ وابستگی اختیار کی اور اُن کو کسی اچھی سی لڑکی تلاش کرنے کی اجازت دی۔ اور یہ بھی کہا کہ لڑکی کی رضامندی کے بعد اُس کے والدین کو ایک معقول رقم بھی ادا کی جائے گی۔ اور اس کو بھی جو اس لڑکے کا رشتہ ڈھونڈ لائے گا۔

ایک لڑکی جو کہ اس لڑکے سے عمر میں آٹھ سال چھوٹی تھی، اس کو ان قطار والے آدمیوں نے چنا۔ یہ لڑکی کسی اعلیٰ مدرسے میں تعلیم حاصل کرتی تھی۔ لیکن لڑکی غریب گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔

اس لیے قطار والوں نے اس لڑکی کے والدین کو بہلا پھسلا کر اور کئی غلط تاثرات پیش کر کے لڑکی کو آگے تعلیم دلانے کی مناہی کی۔ اپنی عزت کی وجہ سے اس لڑکی کے والدین نے یہ بات تسلیم کر لی۔

اس کے بعد قطار والوں نے اُس لڑکی کے ماں باپ کی مالی حالت درست کر دی۔ اور پھر لڑکی کے والدین نے قطار والوں کا کہا کہ میں نے بزرگ آدمی کی بات مان کر لڑکی کی

تعلیم ترک کرادی۔ اور لڑکی کے ماں باپ اس بات پر بخوشی رضامند ہوگئے۔

پھر قطار والے اس لڑکی کا اس تاجر لڑکے کے ساتھ نکاح کا ماحول تیار کرنے لگے۔

جب قطار والے اس کام میں کامیاب ہوگئے تو پھر لڑکی کی شادی کا وقت لڑکے والے کے ساتھ متفقہ رائے سے طے پایا۔

تاریخ مقرر کرنے کے بعد لڑکی کے غریب والدین نے اپنی بیٹی سے کہا کہ انہوں نے ایک لڑکے کے ساتھ تمہارا رشتہ طے کیا ہے۔ اور اُس لڑکے سے تمہارا نکاح ہونے کی تاریخ بھی مقرر ہوگئی ہے۔

لڑکی نے جواب دیا کہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے اپنی شادی خود رچاؤں گی۔ اس لیے میں اس نکاح پر بالکل رضامند نہیں ہوں۔ اس لیے آپ اس نکاح کے طے شدہ تاریخ کو منسوخ کردیں۔

اس پر ماں باپ نے جواب دیا کہ اے عزیز لڑکی ! ہم غریب ہیں اور غریب ہونے کے ناطے اعلیٰ تعلیم کا چکر منسوخ کر۔ اور اپنی غربت پر نظر ڈال کر غور سے سوچ۔

لڑکی نے جواب دیا۔ میں تین دن کی مُہلت کے بعد ان سوالوں کے جواب دوں گی۔"

کچھ دنوں کے لیے ماں باپ نے اُس تاجر سے مُہلت دینے کی گزارش کی اور مقررہ تاریخ کو ختم کرنے کے لیے کہا۔ جب قطار والوں نے یہ بات سنی تو غم کے ماحول میں ڈوب گئے۔ اور جس کی وجہ سے جو مالی امداد انہوں نے تاجر سے لی تھی اس پر انہوں نے یہ تبصرہ کیا کہ اب لڑکی والے اور لڑکے کی آپسی گفتگو اور رضامندی سے ہی حل ہوسکتا ہے۔

دریں اثنا تین دن اور گزرے۔ ان تین دنوں کے اندر لڑکی نے اپنی سہیلیوں کو بُلایا اور ڈرتے ڈرتے گھر کا ماحول سنا کر غمِ زندگی میں مبتلا کرایا۔ سہیلیوں نے یقین دہانی کی کہ جب تک تمہاری اعلیٰ تعلیم مکمل نہیں ہوگی تب تک اپنی شادی کا

ارادہ ترک کردو۔ اور اس ضمن میں ہم تمہارا ساتھ دیں گی۔

سہیلیوں نے لڑکی کو یہ یقین دلایا کہ ان کی مالی حالت ہم خود بخود درست کریں گے۔ اس کی مالی حالت کو ٹھیک کرنے کے لیے اس کی دس سہیلیوں نے اس بات کی ذمہ داری لی کہ ہر سہیلی اپنی باری پر دو وقت کی روٹی لڑکی اور اس کے ماں باپ کو دیا کرے گی۔ اور ساتھ ہی مالی امداد سے بھی نوازے گی۔ اسی طرح سے ہر لڑکی نے اپنے اوپر یہ ذمّے داری لے لی۔

یہ بھی مان لیا کہ گھر میں پڑے ہوئے پرانے کپڑے لڑکی اور لڑکی کے ماں باپ کو پہننے کے لیے دیں گی۔

اس طرح اس کی سہیلیوں نے بہ اتفاق رائے اس تجویز کو منظوری دے کر لڑکی کی حوصلہ افزائی کی۔ اور یہ بھی تجویز پیش کی کہ جو لڑکے والے اس لڑکی کو برباد کرانا چاہتے ہیں کسی نہ کسی طریقے سے اُن کی شناخت بھی کی جائے گی۔ تاکہ ایسے قطار والے لوگ سماج میں آئندہ کے لیے ایسا ماحول پیدا کرنے سے گریز کریں۔

خیر ــــــ لڑکی نے تین دن کے بعد اپنے ماں باپ سے کہا کہ وہ ان کو گھر چلانے کے واسطے ہر قسم کی امداد اپنی سہیلیوں کے ذریعے فراہم کرنے کی پوری پوری کوشش کرے گی۔

لڑکی کی یہ بات سن کر اس کے ماں باپ نے کہا کہ ہم ان کی باتوں سے مطمئن ہوئے لیکن چھ مہینے سے اس لڑکے والے نے ہمیں اچھے طور طریقوں سے مالی امداد کی فراہمی کی ہے جس کی وجہ سے ہمارے گھر کا خرچ چلتا رہا۔

یہ سُن کر لڑکی زار زار رونے لگی اور روتے روتے اپنے ماں باپ سے کہنے لگی کہ کیا میں اسی لیے یہاں پیدا ہوئی ہوں کہ میری اس جمہوری نظام میں غریب ہونے کے ناطے اپنے ماں باپ کے ذریعے خرید و فروخت ہوگی۔

لڑکی نے اپنے ماں باپ سے کہا کہ کتنا خرچہ آیا ہے اور یہ خرچہ کس کے ذریعے فراہم ہوتا رہا۔

ماں باپ نے کہا ہم نے کوئی حساب کتاب نہیں رکھا

ہے۔ صرف ہمیں قطار کے ذریعے کئی آدمی اپنی حاضری دے
کر مالی امداد اس رشتے کے لیے فراہم کرتے رہے۔
یہ سُن کر لڑکی نے اس مالی امداد کو واپس کرنے کے لیے
جس کا حساب کتاب ہے ہی نہیں اپنی سہیلیوں سے مشورے
کے لیے طلبِ غور اور طلبِ تجویز کے لیے رکھا۔
جب سہیلیوں نے اس لڑکی سے یہ واقعہ سنا تو انہوں
نے اپنے والدین کا اجلاس طلب کیا۔ اور اُنہیں لڑکی کی
دردناک رام کہانی سنائی۔ سہیلیوں کے والدین کے اس
اجلاس میں یہ طے پایا کہ وہ سب اس تاجر سے کہیں گے کہ وہ
کسی سے کس طرح کسی لڑکی کی زندگی کو برباد کرنے کی کوشش
نہ کرے۔ اور اپنے لالچ کو جھوٹے احسان کے پردے میں نہ
چھپائے تاجر کو لڑکی کی سہیلیوں اور اُن کے والدین نے خبردار
کیا کہ اگر اس قسم کا ماحول اس شہر میں قائم کرو گے، تو اس
صورت میں تم کو جمہوری طرز کے مطابق سرکار کی طرف سے
سزا دلوائی جائے گی۔

سوداگر نے معافی مانگی اور حلف نامہ پر دستخط کر کے کہا کہ وہ آئندہ اس قسم کا ماحول قطار کے ذریعے پیدا نہیں کرے گا۔ اور نہ ہی اس امداد کے لیے جو لڑکی والے کو قطاروں کے ذریعے وقتاً فوقتاً فراہم ہوتی رہی ہے کوئی دعویٰ پیش کرے گا۔

اس طرح سے لڑکی کو اعلیٰ تعلیم مکمل کرنے کے لیے اُس کی سہیلیوں اور اُن کے والدین نے جو مالی امداد دی۔ اُس سے قطار والوں اور لالچی اور سازشی تاجر کا بھانڈا چوراہے میں پھوٹ گیا۔

غرض کہ اس کتاب کو پڑھ کر مجھے یہ نصیحت فراہم ہوئی کہ اگر مذموم طریقوں سے کسی کنبے کو برباد کرنے کی سازش رچائی جائے گی تو اُس سازش کو بے نقاب کیا جانا چاہیئے۔

پس ایک لڑکی جو کہ اپنے والدین کے لیے آفتاب و مہتاب تھی۔ ایک لالچی تاجر کے لالچ کے گرہن سے آلودہ نہ ہو کر ایک صاف و شفاف ماحول میں اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکی اور اُس نے اپنے غریب والدین کی معصومیت اور بے گناہی کے

دامن کوداغدار ہونے نہیں دیا۔

اب میں نے تیسری کتاب پڑھنا شروع کی لیکن آغاز کیسے کروں۔ جیسے کہ میں نے پہلے تذکرہ کیا ہے کہ جب بہت سے عنوانات پر کتابیں میرے پاس موجود ہیں کس عنوان کی کتاب کوترجیح دوں؟

میں نے جن کتابوں کا مطالعہ کیا ان کی تفصیل بیان کی۔ لیکن آئندہ کے لیے کس عنوان کوترجیح دوں۔ لیکن سوچتے سوچتے ایک کتاب میری آنکھوں کے سامنے آئی۔ اس کتاب کا عنوان ''ترقی بطورِ دہشت جمہوریت کی وحشت''۔

کہتے ہیں کہ کہیں کہیں بادشاہی دَور کے بعد لوگوں کو طرزِ جمہوریت حاصل ہوئی۔ تاریخ دانوں نے شخصی راج کا بہت بُرا چال چلن اور بُرا ماحول دیکھ لیا اور عوام کو بھی ابھی تک ایک شدید کرب محسوس ہوتا ہے۔ انہی واقعوں پر مشتمل تواریخیں تاریخ دانوں نے اپنے زورِ قلم سے قلمبند کر کے لوگوں کوفراہم کی ہیں۔

جب میں ان کتابوں کا مطالعہ کرتا گیا، تو معلوم ہوا کہ شخصی راج میں کتنا ظلم لوگوں کو سہنا پڑا ہے۔ جمہوری طرزِ نظام میں اس طرح کا ظلم وستم جمہوریت کے دامن پر ایک بدنُما دھبّہ ہے۔

جمہوری طرزِ دَور میں ایک ایسا ماحول پیدا ہونا چاہیے جس میں لوگوں کو اپنے اپنے کاروبار میں مساوی اور جائز طور پر جُٹ جانے کا موقع ملنا نصیب ہو۔

جیسے کہ ایک بڑے کارخانے کے اردگرد کئی اور چھوٹے کارخانے لگائے گئے۔ اور اس کارخانے کے مالک نے طرح طرح کے مزدور بطورِ ملازم تعینات کیے۔

اور اس طرح کارخانے میں اچھی طرح سے پیداوار کا نفع زیادہ آنے لگا۔ اور کئی شاخیں بنائی گئیں۔ اور کارخانے کے مالک نے ایک دن کئی اخبارِوں میں یہ اطلاع فراہم کی کہ اُسے قسم قسم کے ملازموں کی ضرورت ہے۔ جس کی وجہ سے کئی آسامیاں کارخانے میں خالی پڑی ہیں۔

بے کار نوجوانوں سے گزارش کی کہ وہ مختلف

کاموں کے لیے درخواستیں مالک کے نام سُپرد کریں۔

اب بہت سی درخواستیں مختلف اسامیوں کے لیے

موصول ہوئیں۔

اس پر غور کرنے سے پہلے کارخانے کے کئی اراکین پر

مشتمل ایک کمیٹی مقرر کی گئی اور اسی کو ان درخواستوں کی چھان

بین کرنے کے بعد کسی کو ملازمت دینے کا اختیار دیا گیا۔

مذکورہ کمیٹی نے نوکری فراہم کرنے سے پہلے

درخواست دہندگان کو بُلایا اور تحقیق کی آیا کہ یہ مختلف

اسامیوں کے لیے کام کرنے کے لیے پُراسرار طریقے سے اپنا

حق رکھتے ہیں۔

کئی سوالات پوچھنے اور جوابات موصول ہونے کے

بعد ہی ان کی تعیناتی پر غور کیا جانے لگا۔

کئی ملازم مختلف طریقوں سے اپنے اپنے

پیشوں کے لیے تعینات کیے گئے۔ ملازمت فراہم ہونے سے

پہلے چند ملازموں کو بہ یک وقت ملازمت فراہم ہوئی۔ ایک ملازم کو ایک خاص کارخانے میں تعینات کیا گیا۔ اور باقی ملازموں کو مختلف چار کارخانوں میں ایک ہی دن ملازمت فراہم ہوئی۔

پانچ چھ سال گزر جانے کے بعد ان پانچ ملازموں میں سے ایک ملازم کو ترقی پر ترقی ملتی رہی۔ باقی چار ملازم ایک ہی کرسی پر مستقل براجمان رہے۔ اور انہیں کوئی ترقی نہیں دی گئی۔

جب اُن چار ملازموں میں سے ایک ملازم نے کارخانے کے مالک کو کہا کہ ارے بھائی اس جمہوری طرزِ نظام میں شاہی نظام کی طرح ہم ملازموں کا خون پیتے ہو۔ کیا یہی جمہوریت ہے؟ کیا یہی آزادی ہے؟

جب کارخانے کے مالک کو یہ اطلاع فراہم ہوئی تو اس نے کارخانے کے ملازموں کی تنظیم کے ساتھ وابستگی پیدا کرلی اس تنظیم نے کارخانے کے مالک کو یہ یقین دلایا کہ ہم شکایت

کرنے والے ملازم کو طریقوں اور قطاروں کے ذریعے
ملازمت کے نا اہل قرار دیں گے۔

جب کئی سال گزرے تو اُس ملازم نے ترقی کے لیے
ایک امتحان دیا۔ جب کارخانے کے مالک اور کارخانے کے
ملازموں کی تنظیم نے یہ سنا کہ اس ملازم کو ترقی کے لیے ایک
امتحان پاس کرنا ہے۔ تو انھوں نے اِسے امتحان میں ناکام
کرانے کی سازش رچی چنانچہ اچھے نمبرات امتحان میں حاصل
کرنے کے باوجود اُس کو ناکامیاب قرار دیا گیا۔

مطلب یہ کہ ترقی کے معاملے میں جمہوری طرزِ نظام
کے تحت ایک قابل ملازم کو اپنے جائز حق ترقی سے محروم کیا
جاتا ہے۔

لیکن جب اس دھاندلی کا پردہ فاش ہوتا ہے تو جمہوری
طرزِ نظام میں ایسے کارخانے کو سرکاری تحویل میں لے کر محروم
ترقی ملازموں کی محض دکھاوے کی اشک شوئی کی جاتی ہے۔

جب میں نے کتاب کا عنوان پڑھا تو عنوان اور پڑھ

کر یہ معلوم ہوا کہ مصنف نے کتاب کا عنوان ''ترقی بطورِ دہشت جمہوریت کی وحشت'' شاید اس لیے مقرر کیا تا کہ سمجھا جائے کہ کیسے ایک کارخانہ دار اور سرکار کی ملی بھگت سے مستحق لوگوں کے حقوق کا خون کیا جاتا ہے اور اُن میں سراسمگی اور دہشت پیدا کی جاتی ہے۔

زیر بحث مصنف شاید یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ جب تک سب لوگوں کو جمہوری طرز نظام کے تحت برابر کے حقوق حاصل نہ ہوں تب تک جمہوریت حقیقی معنوں میں پنپ نہیں سکتی۔

پس کتاب کا نچوڑ پڑھ کر مصنف کی اس رائے سے متفق ہوں کہ جمہوری طرزِ نظام میں کئی شخصیتیں اپنی اپنی قطاریں بنا کر افراد کو بگاڑ بھی سکتے ہیں اور عزت بھی فراہم کر سکتے ہیں۔ اس لیے جمہوری طرزِ نظام میں 'پہچان' کا لفظ بھی موضوعِ بحث ہوسکتا ہے۔ جمہوری طرزِ نظام میں قطار کے ذریعے فرد کی صحیح پہچان بھی ہوسکتی ہے اور مشکوک بھی۔

معقول و مناسب اِختلافِ رائے کے ہوتے ہوئے بھی ہم آہنگی اور یک جہتی کا ماحول جمہوری طرزِ نظام کے مزاج کے موافق ہے۔

چھٹی کتاب کا عنوان ان کتابوں میں ہی تلاش کرنے بیٹھا۔ بیشتر اس سے مجھے قرار و سکون ہی محسوس نہیں ہوا۔ اگرچہ ان چار مختلف مصنفوں کی تصنیف کردہ کتابیں میرے لیے زیادہ مفید ثابت نہیں ہوئیں۔

لیکن پھر بھی مختلف وارداتوں اور حادثوں کا بیان پڑھ کر کچھ نہ کچھ باہمی تعلق فرد اور قطارِ میں مختلف پیرایوں میں نظر آیا۔

پھر بھی دل حاصل مقصد کے لیے بے چین ہی رہا۔

اب خدا کے فضل و کرم سے ایک اور کتاب "حلقِ وطن" (وطنِ حلق) کے عنوان سے پڑھنے لگا۔

مذکورہ کتاب کے مصنف نے ایک خوشگوار اور صحیح ماحول کے لیے مندرجہ ذیل مطلوبات کا تذکرہ کیا ہے۔

۱۔ آزادی

۲۔ خلق

۳۔ جگہ

۴۔ سرکار

لیکن مصنف نے یہ جو باتیں اس کتاب میں درج کی ہیں وہ ہر ایک باشعور آدمی بیان کر سکتا ہے۔

مصنف نے جس طرح سے اپنی باتوں کی وضاحت کی ہے۔ اُس سے مجھے کچھ کچھ ذہنی اور قلبی سکون میسّر ہوا۔

مذکورہ مصنف یہ کہہ رہا ہے کہ ہر ایک شخص کے لیے قدرت نے آزادی فراہم کی ہے۔ اور ہمیں اس آزادی کا کوئی ناجائز فائدہ نہیں اُٹھانا چاہیے ہمیں آزاد رہنے کے لیے حق اور فرائض کے اصول اپنانے چاہئیں۔ ان اصولوں کو اپنانے کے بعد آزادی کا لطف اُٹھانا چاہیے۔ ہمیں ایسی آزادی کا لُطف تسلیم نہیں کرنا چاہیے جس سے کہ کسی غیر آدمی یا اس دُنیا میں اشرف المخلوقات سے تعلق رکھنے والے کسی بھی فرد کو ٹھیس

پہنچے۔

ایک گاؤں میں ایک آدمی پانچ کنال زمین اپنی تحویل میں رکھ کر مزدوروں کے ذریعے اُس کی کاشت کاری کرواتا ہے۔ جب وہ بندہ زمین کی فصل کا فائدہ بھرپور طریقے سے حاصل کرتا ہے۔ کیا اُس وقت وہ یہ نہیں سوچتا کہ جن مزدوروں کی سخت محنت سے فصل حاصل کی ہے، ان کو اپنی اُجرت معقول طریقے سے حاصل ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر وہ زمیندار اصول اور قول وفعل کا پابند ہو، تو وہ اپنے کاشت کاروں کو اُن کی محنت کا معقول معاوضہ دے کر ایک ذہنی آسودگی اور قلبی سکون محسوس کرسکتا ہے۔

اس سلسلے میں مصنف نے ایک ایسی مثال بیان کی ہے جس سے میرا دل بہت ہی متاثر ہوا۔ ایک آدمی پچیس کنال پر مشتمل زمین کی کاشت کراتا ہے۔ لیکن جو مزدوروں اس کام کے لیے مقرر کیئے ہیں۔ ان کو وہ سال بھر کی اُجرت سے نہال کرتا ہے۔ اگر چہ وہ خود بے طرح غربت کے چال میں پھنسا

ہوا ہے۔ لیکن پھر بھی وہ ان مزدوروں کی اُجرت موسمی حالات کے مطابق چکاتا ہے۔

وہ یہ کہہ رہا ہے کہ اگر میرے مزدور اور کاشت کار کچھ مہینے تندہی سے اپنا کام نبھاتے ہیں اور مجھے بہت سا فائدہ اس زمین کے کمانے سے حاصل ہوتا رہا ہے۔ تو باقی مہینوں میں بے کار رہ کر وہ مزدور اور اُس کے بال بچے کیوں بھوکوں مریں؟

نامساعد موسمی حالات میں اگر فصلیں خراب ہو کر رہ جائیں یا حسب منشا اُن کی پیداوار نہ ہو۔ تو کاشت کاروں کو سال بھر کا اجرت سے کیوں محروم رکھا جائے؟

اس کے برعکس آس پاس کے گاؤں کے زمیندار کئی مزدوروں کو کاشت کاری کے لیے تعینات کرتے ہیں۔ لیکن اپنا فائدہ حاصل کر کے اُن کو کم اُجرت دے کر چھ مہینوں کے بعد معطل کرتے ہیں۔

جب کئی مزدور کام سے محروم ہوتے ہیں تو ان کے اہلِ

وعیال زار زار روتے کہتے ہیں کہ کتنی زمین محنت کشوں
نے کمائی اور اُن کو کتنی کم اُجرت ملی! کیا معمولی اُجرت پا کر ہی
اُن کا پیٹ پل سکتا ہے؟

مذکورہ گاؤں کی تحقیق کرنے پر پایا گیا کہ اُس گاؤں پر
کئی ناگہانی آفتیں نازل ہوتی رہتی ہیں۔

گاؤں کے ایک جیّد بزرگ نے ایسی ناگہانی آفتوں
کے سبب کی تحقیق کرنے پر پایا کہ گاؤں کے زمین دار
مزدوروں کو ان کی واجبی اجرت سے محروم رکھتے ہیں۔ اور ان
کے اہل وعیال کو کنگال بناتے ہیں، لیکن پھر بھی زمین پر اپنے
مالکانہ حقوق جتلا کر کاشت کاروں کی محنت وشفقت کا استحصال
کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی سبب سے ''گیہوں کے ساتھ ''گھن
بھی پسے جاتے ہیں'' کے مصداق زمیندار اور گاؤں والے
ایک ساتھ ناگہانی آفتوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔

لیکن جب مالکانہ حقوق رکھنے والے زمین داروں نے
اُن مزدوروں کو اپنی محنت کی جائز اُجرت دینا شروع کی۔ تو

اُس گاؤں پر کوئی ناگہانی آفت نہیں آئی۔

مطلب کہنے کا یہ ہے کہ اگر مالکانہ حقوق رکھنے والے زمین دار اپنے کاشت کاروں اور مزدوروں کو اپنی محنت کی اجرت سے محروم رکھیں گے تو انہیں ناگہانی آفتوں کا شکار ہونا پڑتا ہے۔

بہرحال ان مشکلات کو دور کرنے کا کام سرکار اپنے ذمّے لیتی ہے چاہیے وہ ہے عوامی سرکار ہو یا شخصی سرکار ____ لیکن آج کل کے دَور میں جہاں کچھ مما لک میں عوامی سرکار چلتی ہے۔ وہاں کچھ ملکوں میں شخصی سرکار بھی قائم و دائم ہے۔

سرکار جس قسم کی بھی سرکار ہو۔ لوگوں کو چاہتے ہوئے یا نہ چاہتے ہوئے بھی اِس کے قوانین کا پابند رہنا پڑتا ہے۔

ہاں...... کبھی کبھی ایسے قانون کے خلاف، جو کہ لوگوں کے لیے اچھا نہیں ہوتا ہے، عوام پُر زور احتجاج کرنے پر اُتر آتے ہیں۔

اب سرکار اس قانون کو منسوخ کرے یا قائم رکھے، وہ اُس کی ذمّے داری ہے، عوام کو ہر کسی سرکار کے تابع وطن کی آبرو اور اصولوں کی خاطر اپنی جانیں بھی قربان کرنا پڑتی ہیں۔ لیکن سرکار کو بھی لوگوں کی بے لوث قربانیوں کا پاس کرنا چاہیئے اور ان کا صِلہ مستحق لوگوں کے حق میں عملاً منظور کرنا چاہیے۔

کہتے ہیں کہ ایک بہت خوفناک اور دردانگیز قحط ایک ملک میں آیا جس کی وجہ سے بہت سارے لوگ موت کی آغوش میں چلے گئے۔ لیکن سرکار نہ قحط کی تباہ کاریوں کا سدباب کرسکی اور نا ہی ہزاروں انسانی اور حیوانی جانوں کے نقصان کی تلافی کرسکی۔

پھر بھی سرکار چلتی رہی۔ سرکار کے اراکین دنیا کے کئی ممالک سے امداد حاصل کرکے عوام کو کھانے پینے کی چیزیں فراہم کرتے رہے لیکن وہ اپنی مُہم میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوئے۔

یہ حالت دیکھ کر چند افراد پر مشتمل ایک تنظیم ملک کے

اس دردناک واقعے پر اُبھری اور ان افراد نے سرکار کے خلاف آواز بلند کی۔ اس آواز کو دبانے کے لیے سرکار نے عوام میں کئی قطاریں مقرر رکھیں۔ جن قطاروں کو ہم ''لوٹ'' کہیں گے۔

پولیس اور نیم فوجی دستے عام لوگوں کی سی پوشاکیں پہن کر لوگوں کی قطاروں میں گھس آئے تا کہ اُن میں دراڑ اور انتشار پیدا کریں۔ انہوں نے مذکورہ افراد پر مشتمل کمیٹی کو دبانے کے لیے بہت سی کوششیں کیں، لیکن کامیاب نہ ہو سکے گی۔ اور اسی کمیٹی نے دوسرے آفت زدہ لوگوں کے لیے امداد حاصل کر کے اُنہیں راحت دلائی۔ سرکار کی بے التفاتی اور ریشہ دواشوں کو دیکھ کر عوامی راج کا مطالبہ زور پکڑ گیا۔ اور ملک میں عوامی طرز کی جمہوری حکومت تشکیل پذیر ہوئی۔

حکومت کے لیے لوگوں نے انہیں افراد کا انتخاب کیا جنہوں نے عوام کو بھوک اور پیاس کے اضطراب سے چھٹکارا دِلایا ان سب باتوں کا ذکر کرنا دلایا۔ اس لیے ضروری ہے

تاکہ ان افراد کی پہچان اور تعریف کی جائے، جنہوں نے قحط کی بحرانی حالت کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور عوام کو بھوک اور پیاس کے گرداب میں سرتاپا ڈوبنے سے بچایا۔

یہی افراد جنہوں نے عوامی مشکلات نیست و نابود کر ڈالے عوام کی نظروں میں قابل عزت ہیں۔ چنانچہ جب یہی افراد اس دُنیا سے رخصت ہوتے ہیں تو ان کے اچھے کارناموں کو دنیا والے یاد کرتے ہیں۔ اور ان کی ہر سال برسی مناتے ہیں اور یادگاری نشان نصب کرتے ہیں۔ اور اُن کی ہر سال برسی مناتے ہیں۔

اس لیے ہم یہ کہیں گے کہ عوام دوست افراد ہی سچے محبانِ وطن ہیں اور وہ صرف اپنے ہم وطنوں پر ہی نہیں، بلکہ سارے عالم انسانیت پر اپنی جانیں نچھاور کرتے ہیں۔ ایسے محبان وطن ہی اپنے وطن کی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں اور اندرونی اور بیرونی دشمنوں کی نقل و حرکت پر عقابی نظر رکھتے ہیں۔

بہت ساری کتابیں پڑھ کر مجھے محسوس ہوا کہ اس دُنیا میں جب آتے ہیں تو آنے کے بعد پیدائش سے لے کر آخری ایّام تک انسان کو مختلف نشیب وفراز کے دَور مہیا ہوتے ہیں اور ان کا مقابلہ کرتے کرتے آخری ایّام تک محسوس نہیں کرتا ہے کہ وہ اس دُنیا میں کئی قسم کے ماحولوں کا مقابلہ کرنے کے لیے آیا ہے اور مقابلہ کرتے کرتے ہنسی مذاق کی طرح آخری ایّام تک زندگی کو مختلف نتائج کے انتظار میں رہ کر اور اس دنیا میں کئی رنگوں کے مناظر دیکھ کر اپنے لئے ایک ناقابل شکست و ریخت فولاد جیسا مستقبل بنا کے رہتا ہے۔ اور جہتد البقا کی ہار میں بھی اپنے آپ کو اوراوروں کو پست ہمست ہونے نہیں دیتا ہے۔

خیر ___ کچھ کتابیں پڑھنے کے بعد ایک اور کتاب میرے ہاتھ لگی۔ اس کتاب کا عنوان "شناختِ قوم" ہے۔ کتاب کا عنوان پڑھ کر میں حیران ہوگیا کہ مصنف نے اس کتاب کا عنوان "شناختِ قوم" کیوں رکھا۔ جب کہ ہم قوم کو

ہمیشہ کے لیے شناخت کر سکتے ہیں۔

ہم یہ بات مانتے ہیں کہ کئی ذہنوں کے آئینے میں ایک قوم کی پہچان دکھائی دیتی ہے۔ کسی وقت ایک ہی مذہب ایک ہی قوم کی پہچان ہماری آنکھوں کو ہوتی ہے۔ لیکن دنیا کی الگ الگ قومیں انسانی سطح پر ایک اکائی میں جس میں کئی مذہبوں اور کئی ذاتوں پر مشتمل افراد آپس میں پیار اور محبت سے رہن سہن کے خوشگوار اور دل پسند طریقے سے اور باہمی رشتوں کی قرابت اور استواری سے بسر کرتے رہتے ہیں اور دائرہ قومی میں یک جہتی کی افادیت اور فضیلت تسلیم کرتے ہیں۔ اور اقوام کی وحدت کا پرچم دنیا میں عزت و احترام کے ساتھ پھہراتے ہیں۔ شاید اسی لیے مصنف نے اپنی کتاب کا عنوان ''شناختِ قوم'' موزوں سمجھا۔

''شناختِ قوم'' کے عنوان کی توجیہہ تذکرۂ ذیل سے بھی ہو سکتی ہے۔

وقتاً فوقتاً کچھ آفتیں آنے پر میں لوگ آپس میں چندہ

جمع کر کے مصیبت زدگان کو آفت کا مقابلہ کرنے کے لیے امداد فراہم کرتے ہیں اور دوسرے ممالک بھی ان مصیبت زدگان کو امداد فراہم کرتے ہیں۔

اتفاقاً ایک بڑی عمارت دیکھ کر میں بہت ہی متاثر ہوا۔ عمارت کے اندر جانے سے پہلے میں نے بہت سے ننھّے مُنّے بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھا۔ اور ساتھ ہی مذکورہ عمارت کے دروازے پر ایک تختہ آویزاں دیکھا، جس پر لکھا تھا۔ ''شناخت قوم''؟ شناخت قوم' یہ الفاظ پڑھ کر میں ٹھٹھک کر رہ گیا۔ کیا یہ الفاظ اُس کتاب کی دین تو نہیں ہے جو کہ میں نے پڑھی تھی اور جس کا عنوان تھا شناخت قوم''؟

اسی خیال میں گم سُم میں مذکورہ عمارت کے مالک کے پاس گیا۔ اور اُس سے عمارت کی وجہ تسمیہ کی وضاحت چاہی اور عمارت کے اندر اور باہر ہنستے کھیلتے بچوں کے بارے میں پوچھ تاچھ کی۔

اُس نے کہا کہ یہ جو نونہال دیکھ رہے ہو یہ وہی نونہال

ہیں جو کہ مختلف آفتوں کی وجہ سے اپنے والدین سے الگ تھلک ہو گئے ہیں۔

جب ہمارے ملک پر دشمنوں نے حملہ کیا تو اس وقت ان نونہالوں کے والدین دشمنوں کے ساتھ سرحد پر جنگ کرتے کرتے اپنی زندگی نچھاور کر گئے۔

اس کے بعد نونہالوں کی ماؤں نے بلا خیز اور ہولناک صورتِ حال کو دیکھ کر خودکشی کر لی۔ جس کی وجہ سے یہ نونہالانِ چمن بے یار و مددگار، اور بے کس و مجبور ہو گئے۔

ہم یہ مانتے ہیں کہ حکومت کی طرف سے ان یتیموں کو امداد فراہم ہوئی۔ لیکن ان کی بہبودی کے لیے ان کے بالغ ہونے تک اس مالی امداد کی بدولت میں نے اِس عمارت میں ان کی دیکھ بھال اور تعلیم و تربیت کی ذمہ داری لے لی۔

اسی طرح سے کچھ دوسرے نونہالوں کے بارے میں اس سربراہ نے کہا کہ ایک دن ایک برفانی تو وہ اس گاؤں پر آ گرا اور لاتعداد اموات ہوئیں، لیکن ان میں سے ان نہالوں

کو زندہ بچا لیا گیا۔ اور اس کے بعد ان کی دیکھ بھال کرنے کے لیے میں نے ذمّے داری اپنے سر لے لی۔

اسی طرح سے عمارت کے سربراہ نے ان نونہالوں کے بارے میں اور اور دلخراش باتیں سنائیں۔ جب میں نے سربراہ سے پوچھا کہ آپ کی عمارت کا نام ''یتیم ٹرسٹ'' کی بجائے شناختِ قوم کیوں رکھا گیا؟

تو سربراہ نے جواب دیا کہ اگر ہم اس عمارت کا نام ''یتیم ٹرسٹ'' رکھتے تو یہ پڑھ کر آس پاس کے محلے والے ان یتیم اور آفت زدہ نونہالوں کو دیکھ کر ان سے اچھا سلوک نہیں کرتے۔ اسی لیے اس عمارت کا متبادل نام ''شناختِ قوم'' رکھا گیا۔

یہ تنظیم کئی اور دردمند اراکین پر مشتمل ہے۔ جو بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر ان کی بہبودی کے لیے مالی امداد فراہم کرتے ہیں۔

سربراہ نے مزید کہا کہ ''شناختِ قوم'' کے نام سے

موسوم ٹرسٹ دراصل ہماری قوم کے ان افراد کی پہچان ہے۔ جو آفاتِ سماوی وارضی سے لُقمہٗ اجل ہو گئے ہیں اور جن میں اس ٹرسٹ کے ذمّے اِن یتیم بچوں کے والدین بھی شامل ہیں۔

اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے سربراہِ ٹرسٹ نے فرمایا کہ جب کوئی ایسا نونہال ہمارے یہاں داخلہ لیتا ہے اور جس کے والدین اور ٹرسٹ وغیرہ کے بارے میں کوئی شناختی ثبوت میسر نہ ہو، تو ہم اس نونہال کے والدین کا نام ''شناختی قوم'' رکھ دیتے ہیں۔

جیسے کہ کسی نونہال کا نام ''دانش ور'' ہے تو اُس کی ولدیت ''شناختی قوم'' لکھی جاتی ہے۔ جب میں نے اس سربراہ سے پوچھا کہ کتنے سالوں سے یہ ٹرسٹ قائم ہے...... تو میرے سوال کے جواب میں اُس نے کہا کہ یہ ٹرسٹ یتیم بچوں کی دیکھ بھال اور تعلیم و تربیت کا فریضہ چالیس سالوں سے ادا کر رہا ہے۔

سربراہِ دانش ور کو میں نے کہا کہ فارغ التعلیم ہونے کے بعد کئی نونہال مختلف کاروبار کرتے ہوں گے؟

تو جواب میں سربراہ نے کہا کہ آج تک جو طلبہ اس ''شناخت قوم ٹرسٹ'' سے چلے گئے وہ سب کے سب اپنے ملک اور غیر ممالک میں بڑے بڑے عہدوں پر مختلف کارنامے دکھا کر اپنی روز مرّہ کی روٹی کمانے میں مصروف ہیں۔

اور یہی لوگ اس تنظیم کو چلانے کے لیے ہر ماہ اپنی کمائی کا آدھا حصّہ صَرف کرتے ہیں۔ اور اسی امداد سے سالہا سال سے اس ٹرسٹ کا کام چل رہا ہے۔

سربراہ سے میں نے پوچھا کہ ان یتیم طالب علموں کے بالغ ہونے پر ان کی ازدواجی زندگی کے بارے میں آپ کی تنظیم کیا اقدامات کرتی ہے؟ تو میرے سوال کے جواب میں سربراہ نے کہا کہ کئی طلبہ شادی تو کرتے ہیں۔

لیکن کئی طالب علم مجرّد رہنا ہی پسند کرتے ہیں وہ

ٹرسٹ کے مشورے ہی سے وہ اپنی ازدواجی زندگی کا فیصلہ کرتے ہیں۔

بہرحال ''شناختِ قوم'' کے جس عنوان نے مجھے ایک ذہنی کشمکش اور جذباتی اضطراب میں مبتلا رکھا تھا، دانش ور سربراہ ٹرسٹ کی باتوں نے مجھے اُس سے خلاصی دلائی اور اس سچائی کا قائل کیا کہ کچھ افراد پر مشتمل ٹرسٹ نے انفرادی اور اجتماعی طور سیکڑوں لاوارث بچوں کو قطار بند کر کے صحیح پرورِش اور تعلیم و تربیت سے فیض یاب کیا۔ گویا فرد اور قطار دونوں لازم و ملزوم ہیں۔

کتابیں پڑھنے کے بعد مجھے زبردست تھکاوٹ محسوس ہونے لگی۔ ویسے تو خاموشی کے عالم میں اور بند کمرے میں بیٹھ کر مجھے کوئی کتاب پڑھتے وقت ایک لطف اندوز ماحول اور خاموشی کا عالم محسوس ہوتا ہے۔

مطالعۂ کُتب سے کچھ فراغت پا کر میں نے اپنی بیوی سے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں اپنی ذہنی و جسمانی تھکاوٹ

کو دُور کرنے کے لیے کچھ دن کسی آرام گاہ یا سیر گاہ میں قیام
کروں گا۔ اور ساتھ ہی پڑھی ہوئی کتابوں کی تنقید و تنقیس پر
اپنے قلم کو کمر بستہ کروں۔

میری بیوی نے کوئی اعتراض کیے بغیر مجھے جانے کی
اجازت دے دی اور میں اس گھر سے باہر کسی آرام گاہ (صحت
افزا مقام کو) جانے کی تیاری مصروف ہو گیا۔ کچھ دنوں کے
توقف کے بعد میں بغیر کسی مقصد اور خیال کے ایک گاڑی میں
بیٹھ کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا۔

میں ایک تھیلے میں کچھ کپڑے کچھ کتابیں اور کچھ کھانے
پینے کی چیزیں لے کر اپنے گھر سے اپنے سفر پر روانہ ہوا۔ سفر
بھی کیا تھا؟ ایک پہاڑی سفر تھا۔

جب میں نے سفر کا آغاز کیا تو اُس وقت آفتاب
غروب ہو رہا تھا۔ شام کی پرچھائیاں دھیرے دھیرے اپنے
پَر پھیلانے لگیں۔

پہاڑی سفر طے کرتے کرتے مجھے بہت ہی سکون

محسوس ہوا۔ وہ اس لیے کہ چاند کی روشنی زمین پر اپنے جلوے
بکھیر رہی تھی اور نہ جانے کیوں مجھے اس روشنی سے بڑا لُطف
آ رہا تھا۔ پہاڑی سفر کرتے کرتے چاروں طرف برف دکھائی
دینے لگی۔ لیکن مجھے چاند کی حسین چاندنی نے بے انتہا متاثر و
محظوظ کیا۔

اس سفر کے دَوران میں نے چھ کتابوں کا تبصرہ بھی
سوچا۔ وہی نثر میرے دماغ میں گونجتی رہی۔ اندر سے نثر کا
ماحول میرے دماغ میں بہ حیثیت چھاپہ خانہ اور اشتہار کی
صورت میں محسوس ہونے لگا۔

دوسری طرف مجھے چاند کی دل فریب اور دل کش روشنی
میں برف کی تصویر کھینچنے سے بہت ہی لُطف محسوس ہوا۔
نہ سردی کے موسم، نہ گرمی کی رُت کا احساس! کیوں کہ
میرا دماغ دو طریقوں سے اپنے کام کاج میں مصروف رہا۔
اس طرح سفر کرتے کرتے پہاڑ کی ایک ڈھلان پر پہنچ
کر برف کی ایک چٹان دیکھی۔ اُس چٹان کو چاند کی روشنی میں

دیکھ کر مجھے یہ محسوس ہوا کہ کسی مصور نے کسی فرد کی تصویر برف کی چٹان پر نصب کی ہے۔

یہ تصویر دیکھ کر مجھے یہ خواہش گدگدانے لگی کہ کیوں نہ دو تین گھنٹے اسی ڈھلان پر قیام کروں۔ اتنے ہی عرصے میں مَیں نے دوسری طرف ایک بستی دیکھی۔ رات کا وقت ہونے کی وجہ سے میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ میں بستی کی طرف جاؤں۔

کچھ ہی دیر بعد سورج کی کرنوں نے اپنے پَر پھیلانے شروع کر دیے اور سحر کا آغاز ہونے لگا۔ میں نے کھانے پینے کا بندوبست کر کے اپنے ہاتھ منہ دھونے شروع کیے۔

پہلے خدا کا نام اکیلے پن میں اسی پہاڑ ڈھلان پر لینا شروع کیا۔

ویسے خدا کا نام منٹوں کے لیے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لیے ہمارے دل کے اندر رہتا ہے۔ کھانا کھانے کے وقت میں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اُس سے کہا کہ آپ کی ہی دی ہوئی

غائبانہ مدد اور ہمّت سے میں اپنے پہاڑی سفر میں کامیاب ہوا

اور اب میں آپ کے فضل و کرم سے ناشتہ کر رہا ہوں۔

اتنے ہی عرصے میں گاؤں کے لوگ اُس ڈھلان پر

پہنچے۔ میں نے گاؤں والوں سے کہا کہ مجھے اس پہاڑی پر

بہت ہی سکون محسوس ہوا۔ اور زیادہ تر میرا دل و دماغ اس

پہاڑی ڈھلان پر برف کا منظر دیکھ کر بہت ہی لُطف اندوز

ہوا۔

مطلب یہ کہ میری آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچانے والی اس

برف پوش چٹان سے میں بے انتہا لطف اندوز اور خوش ہوا۔

گاؤں والوں نے جواب میں کہا کہ یہی وہ چٹان ہے

جہاں پر ایک بزرگ خدا کی عبادت کرتے کرتے ایک دم

غائب ہو گیا۔

لیکن وہ گاؤں والوں کی ضروریات اور مالی امداد وقتاً

فوقتاً غائبانہ طور مہیا کرتا ہے۔

لیکن بعد میں مذکورہ چٹان ایک بڑا بھاری پتھر بن کر

نمودار ہوئی۔ اس برف پوش چٹان کی برف کسی طور پر پگھلتی ہی نہیں۔ اوراس برف کو ہم کسی مرض کے علاج یا کسی اچھے کام کی انجام دہی یا کسی مشکل مسئلے کے حل کے لیے کچھ منتروں اور آیات کے ساتھ استعمال میں لاتے ہیں۔ اور یہ چٹان برف سے سالہا سال ڈھکی رہتی ہے۔

گاؤں والوں نے مجھے دوسری بات یہ بھی کہی کہ اس چٹان پر کئی پرندے کئی جنگلی جانور بیٹھنے ہیں۔ لیکن جب عوام کی نظر اُن پر پڑتی ہے تو وہ نہیں ڈرتے۔ نہ وہ اس چٹان سے بھاگتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں چنانچہ گاؤں کے لوگ بھی بلا خوف اس ڈھلان پر اس وقت بھی بیٹھتے ہیں۔

اس ڈھلان کی دوسری خاص بات یہ ہے کہ اس پر بیٹھنے والوں کو سردی اور گرمی کے موسم ایک جیسے لگتے ہیں۔ نہ کلیجا کلپا دینے والی سردی اور نا ہی جھلسا دینے والی گرمی!

یہ چمتکار سُن کر میں حیران ہوا اور گاؤں والوں کی طرف سے کئی دلیلیں سُن کر میں نے کئی بار اُن سے وضاحت مانگی۔

ان باتوں کی وضاحت سے دل میں کچھ کچھ یقین کا احساس ہونے لگا۔

اُس جگہ پر دن بھر قیام کرنے کے بعد میں اور آگے کی پہاڑی کا سفر کرنے میں مصروف ہوگیا۔ جب میں نے آگے کا سفر شروع کیا، تو پہاڑ کی دونوں ڈھلانوں کی طرف سے مجھے نالوں کا شور سنائی دیا۔ اثنائے سفر میں وقت گزرنے کے ساتھ شب کا آغاز ہونے لگا، لیکن چاند کی دودھیا روشنی چھٹکی ہوئی تھی۔ اسی پُر کیف ماحول میں سفر جاری رہا۔

کوہستانی جھرنوں اور ندی نالوں کی خوش آیند آواز بقولِ علّامہ اقبالؔ میرے دامن دل کو کھینچ رہی تھی۔

''دامنِ دل کھینچتی ہے آبشاروں کی صدا''

میں دُنیا و مافیہا سے بے خبر ہو رہا تھا اور جو کتابیں میں پڑھ چکا تھا۔ ان کے موضوعات بھی میری یاداشت سے محو ہو رہے تھے۔

بہ دورانِ سفر چاندنی رات میں ایک چمکتے ہوئے

تالاب کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ یہ کوئی تالاب نہیں بلکہ ایک آئینہ تھا جس میں چاند اپنا حسین چہرہ نہار رہا تھا۔

خیر میں نے پہاڑی سفر کو ادھورا چھوڑا۔ کیوں کہ میرے دل و دماغ میں گھر کی فکر بھی بدستور قائم تھی۔ اس لیے میں فوراً گھر کی طرف لوٹ چلا۔

واپسی پر میں نے اُسی برفانی چوٹی کے بارے میں سوچا جس کا چمتکار گاؤں والوں نے سنایا تھا۔ چنانچہ وہ اُس خدا دوست بزرگ آدمی کو اب تک نہیں بھول چکے ہیں۔ جو مذکورہ چوٹی پر بیٹھا کرتا تھا اور جس کے روحانی کشف و کمال سے وہ چوٹی آج تک بھی اپنے چمتکار دکھا رہی ہے۔

ایک ڈھلان پر ایک نیک آدمی کا رہنا بہت ہی اچھی بات ہے۔ لیکن ایک روحانی فرد کے بارے میں گاؤں والوں نے مجھے جو باتیں بتائیں اُن کا مفہوم یہ ہے کہ ایک اچھے فرد کے اچھے کام بار بار دُہرائے جاتے ہیں۔ اور اُس کا نام ہر ہر زبان ہمیشہ وِرد کرتی رہتی ہے۔

میں یہ بات دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ مجھے برفیلی چٹان
بہت ہی اچھی اور خوشنما لگی اور میرا دل بہت ہی مُتاثر ہوا۔ یہ
چٹان قطار در قطار لوگوں کی زیارت گاہ ہے۔ گویا ایک پُرکشش
'فرد' سینکڑوں اور ہزاروں افراد کی قطاروں کو ایک حرکت اور
زندگی عطا کرتا ہے۔

دو تین دن کا سفر طے کر کے میں بخیریت اپنے گھر
پہنچا۔ لیکن گھر پہنچنے سے پہلے میں نے شہر میں منعقدہ ایک
بہت بھاری جلسے میں شرکت کی۔ وہاں پر لاتعداد لوگوں کی
حاضری پائی گئی۔ میں نے بہت سے لوگوں سے پوچھا کہ یہ
جلسہ کس بات کے لیے منعقد ہو رہا ہے.....لوگوں نے کہا کہ
کسی 'فرد' کی پہچان سے متعلق تقریریں ہوں گی۔

یہ سُن کر میرا دل بہت خوش ہوا۔ اور میرا دل مسرت
کے سمندر میں ڈوبنے لگا۔ میں نے سوچا کہ اسی عنوان پر میں
نے کئی کتابیں پڑھیں اور پڑھائی بھی اس طریقے سے کی کہ
جس سے اس عنوان کی وضاحت حاصل ہو سکے۔

لوگ جوق در جوق مذکورہ جلسے میں اُس فرد کی تقریر سننے کے لیے حاضر ہوئے جس نے انفرادی طور پر اپنے عظیم کاموں اور کردار سے اپنی ایک خاص پہچان بنالی تھی۔

میں یہ تقریر آدھے گھنٹے تک سنتا رہا۔ تقریر میں ایک صاحب نے مجھے کہا کہ آپ یہ تقریر غور سے سنیئے۔ میں نے اس صاحب سے کہا کہ میں یہ تقریر بڑے غور سے سن رہا ہوں۔ اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے صاحبِ شناخت (فرد) نے فرمایا کہ مجھے ایک اچھے بزرگ کی نقاب کشائی کرتے ہوئے اُس کے نقش قدم پر چلنے اور نیک کام کرنے تحریک و ہمت ملی اور سماج اور اپنے آپ میں پائی جانے والی غلطیوں اور ضرورتوں کو دور کرنے پر میری توجہ عملاً مرکوز رہی۔

اُس فرد نے بہت سی مثالیں دے کر لوگوں کو اس بات کی تلقین کی کہ وہ ایسے کام کریں جن سے اُن کے نام شہرۂ آفاق ہوں اور جن سے خلقِ خدا کا بھلا ہو۔

جلسے سے رخصت ہونے پر میں اپنے گھر پہنچا۔ میری

بیوی مجھ سے کہنے لگی کہ آپ تو ایک صحت افزا مقام کی سیر کرنے چلے گئے تھے۔ ذرا اِس کی رُوداد تو سُنا ییٔے۔

جواب میں میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے ضرور ایک کوہتانی نظر نواز اور صحت افزا مقام کی سیر حاصل سیر کی۔ جس سے مجھے قلبی سکون اور ذہنی آسودگی حاصل ہوئی۔

اور ساتھ ہی میری کماحقہ مقصد برآری بھی ہوئی۔ سفر کی تھکان کے باعث میں کچھ اور زیادہ نہیں کہہ سکا۔ میں سونا چاہتا تھا لیکن عادتاً میں نے ایک اور کتاب کی وَرق گردانی شروع کی۔ لیکن بے حد تھکاوٹ محسوس ہونے کی وجہ سے میں اس کتاب کا مطالعہ نہیں کرسکا۔ مجھے نیند کا غلبہ محسوس ہونے لگا۔ مجھے میری بیوی نے مشورہ دیا کہ مطالعہ کرنے سے پہلے آرام کرنا ضروری ہے۔ اور اس کے بعد میں سوگیا۔

میں دن کے پانچ بجے سویا اور رات کے نو بجے مری آنکھ کھلی۔

دن بھر کے آرام اور استراحت سے میری ساری

تھکان دور ہو چکی تھی اور میرے دِل دماغ میں ایک شگفتگی اور تازگی کا احساس ہونے لگا۔ اسی اثناء میں میری بیوی بھی میرے پاس رات کا کھانا لے کر آ گئی اور میں اُس کے شفقت بھرے ہاتھوں سے پروسی ہوئی روٹی بڑے چاؤ اور مزے سے تناول کرنے لگا۔ میری بیوی مجھے گھور گھور کر بڑے اشتیاق سے دیکھ رہی تھی میرے کانوں میں اُسکی یہ آواز ابھی تک گونج رہی تھی۔''

سوامی جی! ذرا یہ تو بتا دیجئے کہ دن رات کی کتب بینی اور..........کوہِستانی سیر وسیاحت سے آپ کو کیا ملا؟

یہ سوال سُن کر میں بھڑک اٹھا اور میری رگ رگ میں جیسے ایک بجلی سے دوڑ گئی۔ مجھے ایک نئی ہمت اور جسارت کا احساس ہونے لگا۔ میں نے بیوی کے جواب میں..........کہا کہ ''میری شفیق بیوی کیا کہوں؟ مجھے بہت بہت کچھ ملا جیسے کہ مجھے قارون کا خزانہ ہاتھ آیا؟'' بیوی نے ہنس کے فرمایا ''سوامی جی یہ تو بتا دیجئے کہ آخر وہ کون سا خزانہ آپ کے ہاتھ

آیا؟ میں نے جواب میں کہا کہ جو مسئلہ آج تک حل نہیں ہوا تھا، وہ کتب بینی اور سیر و سیاحت سے حل ہوا۔ میں آج تک ''فرد اور قطار'' کی اہمیت نہیں سمجھ پایا تھا۔ اب میں سمجھ گیا کہ

موجودہ دور میں فرد اور قطار کی کیا اہمیت ہے؟

زندگی کے ہر شعبہ میں اور ہر ہر سرگرمی میں ''فرد اور قطار'' دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ دیکھئے راشن گھاٹ سے راشن لینا ہو، تو ہر فرد کو قطار میں رہنا پڑتا ہے۔ اسی طرح سے سنیما گھر کا ٹکٹ حاصل کرنے کے لیے یا ملازمت کے سلسلہ میں 'قطار میں ایک فرد کو کھڑا رہنا پڑتا ہے اور یہی ''قطار'' افراد کا مجموعہ ہوتی ہے۔ گویا موجودہ دور میں اس قطار بندی کو کیو (Queue) کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ چاہے کوئی بھی فرد اونچے رتبے کا کیوں نہ ہو۔ اُس کو بھی ایک غریب یا متوسط طبقے کے فرد کے ساتھ کھڑا رہنا پڑتا ہے۔ لیکن موجودہ مہذب زمانے میں کئی دوسرے قوانین کی طرح ''قطار'' (Queue) میں کھڑا رہنے کا بھی ایک دستور ہے، ایک قانون ہے۔ ایک

آئین ہے اور ایک اخلاقی آداب ہے۔ لیکن مقام افسوس ہے کہ خود غرض اور ذاتی فائدہ ڈھونڈنے والے افراد اس کیو (Queue) کے دستورِ عمل کا پاس نہ کر کے سینہ زوری سے مطلب برآئی کرنا چاہتے ہیں اور قطار میں کھڑے دوسرے افراد کا حق چھیننے کی کوشش میں رہتے ہیں۔ یہ بات قطار کے آداب کے بالکل خلاف ہے اور قابل افسوس ہے۔